بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿أصناف الحكام و أحكامهم﴾

حکمرانوں کی اقسام اوران کا حکم

مولف

فضیلۃ الشیخ ابو عمرو عبد الحکیم حسان حفظہ اللہ

مترجم

فضیلۃ الشیخ عبد الناصر الافغانی حفظہ اللہ

منبر التوحید و الجهاد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حکمرانوں کی اقسام اوران کا حکم

اللہ نے اس دنیا کہ لیے ایک نظام بنایا ہے اس کے مطابق بندوں کے لیے چلنا واجب ہے اس نظام سے نکلنے کا ان کے لیے جواز نہیں ہے اس لیے اللہ نے اپنا یہ دین لوگوں تک پہنچانے کے لیے انبیاء مبعوث فرمائے تا کہ اللہ کو ان پر حجت کاملہ حاصل ہو اور لوگوں کو اللہ کے ہاں کوئی بہانہ اور عذر یا حجت نہ مل سکے قرآن وسنت میں اس کے بہت سے دلائل ہیں اللہ کا فرمان ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعۡدَ الرُّسُلِ (النساء:١٦٥)

یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے۔

فرمان ہے:

وَ لَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلاً اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ

(النحل:٣٦)

اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (وہ قوم سے کہتے تھے) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

اللہ کی اپنی مخلوق پر احسان اور رحمت ہے کہ اس نے پے در پے انبیاء مبعوث فرمائے تا کہ وہ اللہ کا

دین قائم کریں جیسا کہ فرمان ہے:

وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خلاَ فِیۡھَا نَذِیۡرٌ. (الفاطر: ۲۴)

کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

اللہ نے ہر امت میں رسول بھیجا جو انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم کرتا تھا اور شرک سے بچنے کی تاکید اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنے اس کی نافرمانی سے بچنے کا حکم کرتا تھا۔ اللہ نے رسالت کے اس سلسلے کا جناب محمد ﷺ پر اختتام کیا ان کے بعد کوئی رسول نہیں۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب: ۴۰)

محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں البتہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: میری اور تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی نے ایک عمارت بنائی بہت خوبصورت اور حسین مگر ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ آتے ہیں اس گھر کو اندر سے باہر سے، چاروں طرف سے اچھی طرح دیکھتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں تعریف کرتے ہیں پھر کہتے ہیں یہاں (خالی جگہ میں) اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں (جس نے یہ عمارت مکمل کر دی) میں ہی سلسلہ نبوت کی تکمیل کرنے والا خاتم النبیین ہوں۔ (بخاری،مسلم،ترمذی،احمد)

اللہ نے جو بھی نبی بھیجا اس کے بعد اس کے جانشین خلفاء بنائے جنہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں میں سیاست کریں اللہ کی شریعت کے مطابق ان کی قیادت وسیادت کریں۔ ابوحازم رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال رہا ان سے میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنی آپ

ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے اور جب کوئی نبی دنیا سے چلا جاتا تو دوسرا نبی آجاتا اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا اللہ کے رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں کیا حکم کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے والے کی بیعت کرو انہیں ان کا حق دیا کرو اللہ ان سے تمہارے حق کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ (مسلم،احمد،نسائی،ابن ماجہ)

امامت وخلافت کا منصب بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو مخاطب کرتے وقت انسان کو خلیفہ کہا تھا۔ خلیفہ انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے جو لوگوں کو اللہ کے دین پر قائم رکھتا ہے اس لحاظ سے وہ امت میں نبی کا قائم مقام ہوتا ہے خلیفہ ہی دنیا کی سیاست دین کے مطابق کرتا ہے۔ (احکام السلطانیة للماوردی:۵)

خلیفہ ہی تمام لوگوں کو دنیاوی واخروی مصلحتوں کو شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے پر آمادہ کرتا ہے خلیفہ ہی دین کا تحفظ کرتا ہے اور اس کی روشنی میں دنیاوی امور چلاتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون:۲۶)

خلیفہ کا معنی ہے جو کسی کا جانشین بنے اسی لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ قرار دیا (البقرہ: ۳۰)

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً (البقرۃ: ۳۰)﴾ کا مطلب ہے کہ میں دنیا میں اپنا نائب مقرر کر رہا ہوں جو عدل اور حکم کرنے میں میرا خلیفہ ہوگا۔ خلیفہ آدم تھا اور جو بھی اس کا نائب ہو اللہ کی اطاعت کرنے مخلوق میں عدل کے فیصلے کرنے میں اسی لیے سلطان اعظم کو خلیفہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے امیر کا جانشین ہوتا ہے۔

(ابن کثیر: ۱/۱۰۸)

فقہاء کے نزدیک خلیفہ کا، امیر، امام اعظم اور امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ اسلام میں حکمران کو متعدد

ناموں سے پکارا جاتا ہے جیسے امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ پوری زندگی خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہلاتے رہے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہنے پر اتفاق کیا امیر المومنین کو ہی امام اعظم اور خلیفۃ المسلمین کہا جاتا ہے۔(غیاث الامم:۱۵)

لغت میں خلیفہ کا معنی ہے جو کسی معاملے میں جانشین بنے یا کسی کو بنائے۔ جبکہ اہل علم کی اصطلاح میں حکومت اسلامیہ کے سربراہ کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ امت میں اسلامی احکام کو نافذ کرنے میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوتا ہے۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے جوینی فرماتے ہیں خلافت اس مکمل قیادت کو کہتے ہیں جس کا تعلق عوام وخواص کے دینی و دنیاوی امور سے ہو عوام کے مال و جان کا تحفظ ہو دعوۃ کو دلیل وتلوار دونوں کے ذریعے سے جاری رکھے ظلم و زیادتی کو روکے مظلوموں کے لیے انصاف فراہم کیا جاتا ہو لوگوں کو ان کے حقوق دلائے جاتے ہوں۔

(غیاث الامم للجوینی:۱۵)

ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امامت نبوت کے خلافت کے لیے مقرر کی گئی ہے تاکہ دین و دنیا کے تحفظ اور دینی امور کو چلانے کے لیے ہو۔(احکام السلطانیۃ:۵)

ابن الارزق رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلافت وامامت سے مراد شارع کی نیابت دین کی حفاظت اور دنیاوی امور کا انتظام۔(بدائع السلک فی طبائع الملک:۱/۹۰)

خلیفہ کا تقرر واجب ہے

اہل سنت اور دیگر فرقوں کے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایک عادل مسلمان خلیفہ کا تقرر واجب ہے تاکہ لوگوں پر حکومت کرے۔ اللہ کے احکام نافذ کرے امت کی مصلحتوں کا خیال رکھے اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ اس بات سے اختلاف صرف کچھ خوارج اور ابوبکر اصم نے

کیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً.(البقرہ:۳۰)

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت بنیاد ہے امام وخلیفہ کے تقرر کے لیے کہ اس کی بات سنی جائے اس کا کہا مانا جائے تاکہ لوگ متحد رہیں اور خلیفہ کے احکام جاری ہوسکیں ۔اس بارے میں امت اور ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوائے ابوبکر اصم کے جو شریعت سے لابلد ہے اور اس جیسے دیگر اس کے متبعین وہم مسلک وہم رائے لوگوں کے جن کا کہنا ہے کہ واجب اور ضروری ہے مگر جب امت حج کرتے ہوں، جہاد کرتے ہوں آپس میں انصاف کرتے ہوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوں مال غنیمت، صدقات اور مال فئی تقسیم کرتے ہوں حدود قائم کرتے ہوں تو ان پر امام وخلیفہ مقرر کرنا واجب نہیں ہے جبکہ ہماری دلیل یہ آیت ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً.(البقرہ:۳۰)

میں (آدم کو) زمین میں (اپنا) خلیفہ بنانیوالا ہوں۔

اور یہ آیت:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ.(ص:۲۶)

اے داؤد ہم تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔

اور آیت:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ

(النور:۵۵)

اللہ نے ایمان اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب اختلاف ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا تھا اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کہا تھا نبی ﷺ نے فرمایا ہے: یہ قوم عرب قریش ہی کے تابع رہے گی تو لوگوں نے یہ بات تسلیم کرلی اگر خلافت کا قیام وتقرر لازم نہ ہوتا تو یہ بحث ومباحثہ نہ ہوتا بلکہ سب کہہ دیتے کہ خلیفہ کا تقرر واجب نہیں ہے پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ امانت سونپ دی کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ واجب نہیں ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ کا تقرر واجب ہے اور یہ دین کا ایسا رکن ہے کہ جس کے سہارے مسلمان متحد رہتے ہیں۔(تفسیر قرطبی :۱/۲۸۲)

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اہل سنت، مرجئہ، شیعہ اور خوارج امامت کے وجوب پر متفق ہیں اور اس بات پر بھی کہ امت پر اس امام عادل کی اطاعت واجب ہے جو ان میں سے اللہ کے احکام قائم رکھتا ہو شریعت کے مطابق ان کی حکومت کو چلاتا ہو سوائے چند خوارج کے وہ کہتے ہیں کہ امت کے لیے خلیفہ واجب نہیں ہے بلکہ ان پر یہ فرض اور واجب ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں اب اس فرقے میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔اس فرقے کا قول متروک و باطل ہے اس کے باطل ہونے کے لیے مذکورہ دیگر فرقوں کا اجماع کافی ہے جبکہ قرآں وسنت سے امام کا تقرر واجب ہونا ثابت ہے اللہ کا فرمان ہے: اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی۔جبکہ بڑی تعداد میں احادیث ہیں جن میں امام کی اطاعت اور اس کے تقرر کے وجوب کا ذکر ہے۔اللہ کا فرمان ہے: اللہ انسانوں پر ان کی استطاعت کے مطابق ذمہ داری ڈالتا

ہے۔تو یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ لوگوں کو اس بات کا پابند نہیں کرے گا جو ان کی سرشت اور ان کی استطاعت میں نہ ہو۔ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ نے لوگوں کے لیے مال، جان، نکاح طلاق وغیرہ کے جو احکام نازل کیے ہیں اور ظالم کو ظلم سے روکنے، انصاف کرنے قصاص لینے کے احکامات پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ لوگوں کی مصروفیات اور آراء کا اختلاف اس کی راہ میں رکاوٹ ہے اور ہر شخص یا گروہ چاہتا ہے کہ اس پر کوئی بھی حکومت نہ کرے یہ باتیں ہم روز دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں انہی وجوہات کی وجہ سے ان علاقوں میں کہ جہاں کوئی بڑا سردار وسربراہ نہیں ہوتا وہاں نہ کسی کو حقوق ملتے ہیں نہ دین باقی رہتا ہے۔

(الفصل فی الملل والاھواء والنمل لابن حزم :۴/۸۷)

ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امامت کا انعقاد واجب ہے اس پر اجماع ہے صرف اصم نے اختلاف کیا ہے۔(احکام السلطانیة:۵،شرح مسلم نووی :۱۲/۴۴۷)

ابویعلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام کا تقرر واجب ہے احمد بن حنبل کہتے ہیں: فتنہ اس وقت ہوتا ہے جب لوگوں کا امام نہیں ہوتا جو لوگوں کے معاملات صحیح طریقے سے چلائے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بنوسقیفہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا تو انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہوگا مگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ عرب قریش کے ہی تابع ہوتے ہیں اس بارے میں روایات ہیں اگر امامت واجب نہ ہوتی تو یہ بحث ومباحثہ نہ ہوتا بلکہ کہہ دیتے کہ امامت قریش یا دیگر میں واجب نہیں ہے۔(احکام السلطانیة:۳، فتح الباری ۱۳/۲۰۸)

محمد بن علی القلعی کہتے ہیں: پوری امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ امام کا تقرر واجب ہے اگر چہ خلیفہ کی شرائط واوصاف میں اختلاف ہے۔(تھذیب الریاسة وترتیب السیاسة:۷۴)

ابن خلدون رحمہ اللہ مقدمہ میں لکھتے ہیں: امام کا تقرر شریعت میں واجب ہے اس کا ثبوت اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے ملتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی اور اپنے معاملات ان کے سپرد کردیئے اسی طرح ان کے بعد بھی ہر دور میں ایسا ہوتا رہتا ہے کسی دور میں بھی لوگ بغیر امام وخلیفہ کے نہیں رہے۔ لہٰذا یہ امام کے تقرر پر اجماع ہے۔(مقدمہ ابن خلدون: ۱۷۱)

امام کی اہمیت تو ظاہر اور واضح ہے کہ امام کے نہ ہونے سے منبر ومحراب ویران ہوجاتے ہیں، اسلام کے بہت سے امور ضائع ہوجاتے ہیں۔ یتیموں کا پرسان حال نہیں ہوتا اگر یہ امام نہ ہوتے تو بیت اللہ کا حج نہ ہوتا، قاضی اور والیان حکومت نہ ہوتے تو یتیموں کے نکاح نہ ہوتے اگر حکمران نہ ہوتے تو لوگوں کے معاملات افراتفری کا شکار ہوجائیں لوگ ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی شروع کردیں کسی نے کہا ہے کہ لوگوں کو بغیر سربراہ کے نہیں ہونا چاہیے اور اگر سربراہ حکومت کسی جاہل کو بنادیا گیا تو گویا یہ لوگ بغیر سربراہ کے ہی ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ کی پہچان جتنی قرآن سے ہوتی ہے اتنی ہی حکمران (صحیح مسلمان حکمران) سے ہوتی ہے یہ بھی کسی نے کہا ہے کہ دین بنیاد ہے اور سلطان اس کا نگہبان، اگر بنیاد نہ ہوتو عمارت منہدم ہوجاتی ہے اور اگر نگہبان نہ ہوتو عمارت ضائع ہوجاتی ہے۔

امام کی شرائط

جب دین میں خلافت کی اتنی اہمیت ہے تو شریعت نے خلیفہ وامام کے لیے ایسی شرائط بھی رکھیں ہیں جن کی موجودگی ہر اس آدمی میں ضروری اور واجب ہے جو خود کو اس منصب جلیلہ کے لیے پیش کرتا ہے ان شرائط میں سے کچھ تو ایسی ہیں جن پر علماء کا اجماع واتفاق ہے اور کچھ میں

اختلاف ہے ہم یہاں اختصار کے ساتھ یہ شرائط پیش کررہے ہیں ہم اس پر مکمل تفصیل بتانا نہیں چاہتے صرف اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

① قریشی الاصل ہونا چاہیے اس لیے کہ حدیث ہے (الائمۃ من قریش) [1]

طبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے عبداللہ بن السائب اور بزار نے علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے قریش کو آگے بڑھاؤ ان سے آگے نہ بڑھو۔ فرمایا ہے: خلافت قریش میں اور حکومت انصار میں ہوگی۔ (طبرانی، ابن ابی عاصم، ابن عسا کرنے عتبہ بن عبد سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ احمد، ابوداؤد، ابویعلیٰ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے فرمایا: اے قریش کے گروہ تم لوگ اس کام (خلافت) کے اہل ہو جب تک تم اختلاف نہ کرو یا مباحثہ نہ کرو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بات پر سقیفہ میں اجماع کیا جب انہوں نے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہوگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر راضی ہوگئے اور کہا کہ تم خلفاء اور ہم وزیر ہوں گے۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث اس بات پر صریح دلالت کرتی ہیں کہ خلافت قریش کے لیے خاص ہے کسی اور کے لیے

[1] انہی الفاظ سے یہ حدیث احمد، نسائی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابویعلیٰ، طبرانی فی الکبیر، حاکم، سعید بن منصور، ابوداؤد الطیالسی میں علی رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جبکہ بخاری میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان ھذاالامر فی قریش لا یعادیھم احد الاکبہ اللہ فی النارعلی وجھہ ما اقاموا فیکم الدین، یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا جو ان سے دشمنی کرے گا اللہ اسے جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا جب تک یہ (قریش) تم میں دین قائم رکھیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امر خلافت قریش میں رہے گا یہاں تک کہ دو آدمی بھی باقی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ائمہ قریش میں سے ہوں گے ان کے نیک حکمران ہوں گے نیک لوگوں کے اور ان کے بدحکمران ہوں گے برے لوگوں پر اگر تم پر قریشی غلام ہاتھ پاؤں کٹا ہوا امیر بنادیا جائے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (حاکم، بھیقی علی رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ)

جائز نہیں اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوران کے بعد کے علماء کا اجماع ہے اس سے اختلاف صرف اہل بدعت نے کیا ہے اوران کے خلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے۔

(شرح مسلم للنووی:۱۲/۴۴۱-۴۴۲ کتاب الامارة، غیاث الامم لجوینی:۶۲-۶۳،الاحکام السلطانیة للماوردی :۶،فتح الباری :۱۳/۱۱۳-۱۲۱ ،مقدمة ابن خلدون :۱۷۳))

② اس قابل ہو کہ قاضی بن سکے، مجتہد ہو، معاملات کے فیصلے کرنے اور فتوی دینے میں کسی کا محتاج نہ ہو اس پر اتفاق ہو چکا ہے۔ [1]

③ معلومات رکھتا ہو اور عمدہ رائے رکھنے والا ہو تا کہ عوام کے دنیاوی مصلحتوں اور ملکی سیاست کو بہتر طریقے سے سرانجام دے سکے، جنگی فنون سے بھی واقفیت رکھتا ہو، فوجی قواعد وضوابط اور امور سے بھی باخبر ہو تا کہ سرحدوں کا تحفظ ہو، امت کا دفاع ہو ظالم سے مظلوم کا حق ولوایا جاسکے۔ کہا جاتا ہے کہ دلیر کی دلیری سے پختگی رائے ضروری ہے یہ پہلے ہے اور شجاعت دوسرے درجے پر۔ اگر یہ دونوں صفات کسی شخص میں بیک وقت جمع ہو جائیں تو وہ بلندی تک پہنچ جاتا ہے کبھی کبھی آدمی اپنے ہمعصروں کو بہتر رائے کے ذریعے بھی زیر کر لیتا ہے اور کثرت افراد کی ضرورت نہیں ہوتی۔

---

[1] اجتہاد کی جو شرط ہے اس میں اختلاف ہے ایک گروہ کے نزدیک یہ شرط ہے وہ گروہ کہتا ہے کہ امام کے لیے اصول وفروع دین میں مجتہد ہونا چاہیے تا کہ وہ فتوی دینے اور استنباط کرنے کا اہل ہو یہ مذہب ماوردی، ابویعلیٰ، الجوینی، الغزالی، اور بیضاوی کا ہے ابن خلدون کے مقدمہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ جبکہ شہرستانی کہتے ہیں: اہل سنت کا ایک گروہ امام کے لیے اجتہاد کی شرط نہیں لگا تا خاص کر متاخر دور میں انہوں نے غیر مجتہد کا امیر ہونا جائز قرار دیا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ امام کے ساتھ مجتہدین کا ایک گروہ موجود ہو تا کہ احکام اور فتوی میں ان سے رجوع کر سکے مزید تفصیلات کے لیے غیاث الامم للجوینی ،اصول الدین للبغدادی،احکام السلطانیه للماوردی اور مقدمه ابن خلدون ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

④ ایسا نہ ہو کہ حدود قائم کرتے ہوئے اس کا دل ترس نہ کھاتا ہو نہ ہی گردنیں مارنے سے گھبراتا ہو نہ ہی ہاتھ کاٹنے سے لرزتا ہو ان تمام صفات پر صحابہ کا اجماع ہے۔

⑤ آزاد ہو اس صفت پر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: تیسری شرط ہے آزاد ہونا اس لیے کہ غلامی ایسا نقص ہے جو خلیفہ وامیر بننے میں رکاوٹ اور مانع ہے جب غلام کی گواہی قبول نہیں ہے تو اسے حکمرانی کیسے دی جاسکتی ہے۔) (احکام السلطانیة:٦٥)

⑥ مسلمان ہونا یہ چھٹی شرط ہے۔ (اسلام بنیادی شرط ہے سب سے بڑی امارت ہے اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً (النساء: ۱۴۱)﴾ اللہ نے کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی راستہ نہیں بنایا۔)

⑦ مرد ہونا اس پر بھی اجماع ہے کہ عورت امیر نہیں ہوسکتی۔ (امت کا اجماع ہے کہ امارت صرف مرد کے لیے ہے کسی عورت کو ملک کا سربراہ یا حکومت کا سربراہ نہیں بنایا جاسکتا یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنے امور (مملکت) عورت کے حوالے کر دیئے۔ بخاری، احمد، ترمذی، نسائی، ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتیں ناقص العقل وناقص دین ہوتی ہیں۔)

⑧ اعضاء صحیح سلامت ہوں یہ آٹھویں شرط ہے۔

⑨ بالغ ہو (بچہ مکلّف نہیں ہوتا لہٰذا اسے قاضی نہیں بنایا جاسکتا وہ اپنے نفس کا اختیار نہیں رکھتا تو دوسروں کے اختیارات کیسے اپنا سکتا ہے بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان مروی ہے: میری امت قریش کے کچھ لڑکوں کے ہاتھوں ہلاک ہوگی۔) ابن ابی شیبہ نے اسے مرفوع روایت کیا ہے جس میں ہے بچوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں۔)

⑩ عاقل ہواس میں بھی اختلاف نہیں (کسی پاگل کوحکومت دینا جائز نہیں ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں عقل دوسری شرط ہے اس پر اجماع ہے صرف اتنی عقل کافی نہیں جو (شرعی احکام) کا مکلّف بناتی ہے بلکہ بہترین ذہانت اور بھول چوک سے کافی حد تک محفوظ ہو)۔(احکام السلطانیة:٦٥)

⑪ عادل ہوامت کا اجماع ہے کہ کسی فاسق کو امیر نہیں بنایا جاسکتا۔(عدالت کا معنی ہے مکلّف کے حالات معتدل ہوں کوئی ایسا کام نہ کرے جو اسے معیوب بنائیں۔متقی اور صالح ہونا بھی اس میں شامل ہے اس لیے کہ حکمرانی بہت بڑی امانت ہے جو کسی فاسق کے حوالے نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ وہ دیانتدار نہیں ہوتا اور اس کی روایت مقبول نہیں ہے۔ماروردی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہرعہدے کے لیے عدالت معتبر ہے عدالت کا معنی ہے کہ سچا ہو، دیانتدار ہو، محرمات سے اجتناب کرنے والا ہو، گناہوں سے بچتا ہو شکوک سے پاک ہو خوشی اور غصے میں خود پر قابو رکھتا ہو دنیا اور دین دونوں میں اعتدال رکھتا ہو۔)(احکام السلطانية:٦٦،تفسير قرطبی: ٢٨٥/١ – ٢٨٦،ابن كثير:١/١١٠، الاحكام السلطانية:٦،احكام السلطانية لابی يعلیٰ : ٢٠،غياث الامم للجوينی تحقيق عبدالعظيم الديب: ٨٦، حاشيه ابن عابدين:١/٥٤٨)

حکمرانوں کی اقسام ہیں کچھ تو مسلمان ہیں، عادل ہیں، کچھ فاسق وظالم ہیں کچھ کافر ہیں ہم یہاں صرف پہلی قسم کے حکمران سے متعلق بات کرتے ہیں کہ اس پر کیا ذمہ داریاں ہیں اس کے کیا حقوق ہیں:

مسلم عادل حکمران

○ شریعت مطہرہ نے بتادیا ہے کہ عادل مسلم امیر کی اللہ کے ہاں بہت قدر ومنزلت ہے اس کے لیے بہت بڑا اجر ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایسا امیر قیامت کے دن اللہ کے (دیئے

ہوئے) سائے میں ہوگا جس دن کے کسی کو سایہ نہیں ملے گا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: سات قسم کے افراد قیامت کے دن سائے میں ہوں گے جس دن کہ صرف اللہ کے فراہم کردہ سائے کے علاوہ کہیں سایہ نہیں ہوگا۔(بخاری،مسلم،احمد۔نسائی)

○ امام عادل قیامت کے دن رحمان کے دائیں جانب نور کے منبر پر ہوگا اللہ کے دونوں طرف دائیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصاف کرنے والے قیامت کے دن اللہ کے دائیں طرف ہوں گے اللہ کے دونوں طرف دائیں ہیں وہ لوگ کہ اپنی حکومت اور گھر میں عدل وانصاف کرتے تھے۔(مسلم ،نسائی،احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سخت عذاب کا مستحق ظالم امام وحکمران ہوگا۔(احمد،بهيقی،ترمذی کہاحسن غریب)

میرے خیال میں حدیث حسن کہلائی جاسکتی ہے اس سند میں فضیل بن مرزوق الوقاصی ہے جسے ذہبی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

ابن معین وغیرہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے اس روایت کے دیگر راوی بھی ہیں عطیہ العوفی کو ابن قطان اور ذہبی نے ضعیف کیا ہے۔ابن القطان نے کہا ہے کہ حدیث صحیح نہیں ہے حسن ہے۔

طبرانی نے اسے عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے افضل مرتبے والا امام عادل رفیق ہوگا اور سب سے بدترین آدمی امام ظالم ہوگا۔

اس سند میں ابن لہیعہ منفرد ہے اس حدیث کی طبرانی اور ابویعلیٰ میں ابوسعید سے مرفوع روایت بھی ہے جس کے الفاظ ہیں کہ قیامت میں سب سے سخت عذاب ظالم حکمران کو ہوگا۔

○ اگر امام تقوی کے مطابق حکومت کرتا ہے اور عدل قائم رکھتا ہے تو اس کے لیے بہت بڑا

اجر ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: امام ڈھال ہے جس کی آڑ میں قتال کیا جاتا ہے اور دفاع ہوتا ہے اگر وہ تقوی اور عدل سے حکومت کرتا ہے تو اس کے لیے اجر ہے اور اگر اس کے مطابق حکومت نہیں کرتا تو اس کے لیے عذاب ہے۔(بخاری،مسلم،ابو داؤد،نسائی)

○ امام عادل کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی اس لیے کہ اللہ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت اور عزت ہوتی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے افراد ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی:

① امام عادل

② روزہ دار جب تک روزہ افطار نہ کرے

③ مظلوم کی دعا بادلوں کے اوپر چلی جائے گی قیامت کے دن اور آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے جائیں گے اللہ فرمائے گا مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا اگر چہ کچھ وقت کے بعد ہو۔(ترمذی اور اس حدیث کو حسن کہا)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی اللہ کا بہت ذکر کرنے والا۔ مظلوم اور امام عادل۔(بھیقی شعب الایمان بسند حسن)

مسلم حکمرانوں کی ذمہ داریاں

ایسے حکمران و امام پر کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں جنہیں پورا کرنا اس کے لیے لازم ہوتا ہے اس کے حقوق ہوتے ہیں جو اس کو دینے ہوتے ہیں یہ ذمہ داریاں قرآن کی متعدد آیات اور احادیث نبوی ﷺ میں مذکور ہیں ہم اختصار کے ساتھ یہ ذمہ داریاں تحریر کر رہے ہیں۔

پہلی ذمہ داری: حق اور عدل کا قیام، لوگوں کے تنازعات نمٹانا، اللہ کی شریعت کو نافذ کرنا اور

شرعی احکام کے مطابق حدود کا نفاذ۔

اللہ کا فرمان ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء:۵۸)

اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ امانتیں اہل کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

یہ ہے اللہ کا حکم حکمرانوں کے لیے کہ اپنی حکومت میں وہ عدل نافذ کریں جو اس اللہ نے نازل کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے اللہ حاکم یا قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے جب ظلم کر لیتا ہے تو اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ ترمذی، حاکم اور حسن کہا، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی میں لفظ ہیں قاضی کے، بیہقی ہی میں الفاظ جب قاضی یا حکمران ظلم کر لیتا ہے تو اللہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے۔ جب ظلم کرتا ہے اللہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ حاکم میں ہے اللہ اس سے بری ہو جاتا ہے۔ ترمذی نے کہا حسن غریب ہے صرف عمران القطان کے ذریعے سے ہم اسے جانتے ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس راوی میں اختلاف ہے مگر یہ متروک نہیں ہے بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استشہاد کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے بھی اس کی حدیث روایت کی ہے۔(تلخیص الحبیر لابن حجر عسقلانی:۴/۱۸۱)

کسی کا قول ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔(ابن کثیر:۱/۷۸۲)

اللہ کا فرمان ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مُہَیۡمِنًا عَلَیۡہِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَاتَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ(المائدۃ:۴۸)

ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی ان پرنگران ہے ان کے درمیان فیصلہ کریں اس کے مطابق جواللہ نے نازل کیا ہے اوران کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

ابو ہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک دیہاتی نے رسول ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں اس کے مقابل فریق نے کہا کہ یہ صحیح کہہ رہا ہے آپ ﷺ کتاب اللہ کے مطابق ہمارا فیصلہ کریں۔ دیہاتی نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے گھر میں ملازم تھا اس نے اس کی بیوی سے بدکاری کرلی اب لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ تمہار بیٹا سنگسار ہوگا میں نے بیٹے کا فدیہ سو بکریاں اور ایک لونڈی دی ہیں پھر میں نے علماء سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اوراسے جلاوطن کیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں تمہارے درمیان فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا۔لونڈی اور بکریاں تمہیں واپس مل جائیں گی تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اوراسے جلاوطن کیا جائے گا۔انیس (ایک آدمی تھا) تم صبح جا کر اس شخص کی بیوی سے تفتیش کرواگر وہ اقرار کرتی ہے تو اسے رجم کردوانیس صبح گئے،عورت نے اعتراف کرلیا اسے سنگسار کرلیا۔(بخاری،مسلم)

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ مجھے کیوں کسی سرکاری کام پر نہیں لگاتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:ابوذر تم ایک کمزور آدمی ہواور یہ عہدے قیامت میں حسرت وندامت کا سبب ہوں گے سوائے اس کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور جو ذمہ داریاں اس

ڈالی گئی تھیں وہ اس نے ادا کردیں۔(مسلم،بیہقی،ترغیب وترھیب)

یہ حدیث عام نہیں بلکہ اس کے بارے میں ہے جو عہدے میں اللہ کا حق قائم نہیں کرتا عدل نہیں کرتا۔اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:یہ حدیث عہدوں سے گریز کرنے میں بنیادی حدیث ہے خاص کر اس کے لیے جو اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتا شرمندگی وندامت اس کے لیے ہوگی جو اس کا مستحق ہوگا عدل نہیں کرے گا جو عہدے کے اہل ہوگا عدل کرے گا تو اس کے لیے اجر ہے جیسا کہ دیگر احادیث سے ثابت ہے لیکن عہدہ قبول کرنے میں خطرات ہیں اسی لیے اکابر عہدوں سے گریز کرتے تھے امام شافعی رحمہ اللہ نے مامون کے کہنے کے باوجود قاضی کا عہدہ نہیں لیا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے منصور کی حکومت میں یہ عہدہ قبول نہیں کیا اس طرح کے اور بھی بہت سے اکابر ہیں۔(شرح مسلم:۱۲/۲۱۱)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:عہدے کا آغاز ملامت،دوسری ندامت اور تیسرا عذابِ قیامت الا یہ کہ عدل کیا جائے۔(طبرانی،بزار سند صحیح ہے)

طبرانی میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے بہترین چیز عہدہ ہے جس نے حق کے ساتھ لیا اور بدترین چیز عہدہ ہے جس نے بغیر حق کے لیا اس کے لیے قیامت میں حسرت ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:اللہ جس شخص کو بندوں پر حکمران مقرر فرمادے چاہے لوگ کم ہوں یا زیادہ قیامت میں اللہ ان کے بارے میں سوال کرے گا کہ ان میں اللہ کے احکام نافذ کیے یا نہیں؟ یہاں تک کہ گھر والوں کے بارے میں بھی (یہی) سوال کیا جائے گا۔

(احمد)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:اللہ ہر اس آدمی سے جسے کسی کا نگہبان وحکمران مقرر

کیا ہے یہ سوال کرے گا کہ اپنے ماتحتوں کا تحفظ کیا یا نہیں؟ یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھر کے بارے میں سوال ہوگا۔(نسائی ،ابن حبان)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے دس آدمیوں پر بھی اگر کوئی امیر ہو تو اسے قیامت کے دن ہتھکڑیاں لگا کر لایا جائے گا اس کا انصاف یا تو اسے بچالے گا یا اس کا ظلم اسے ہلاک کردے گا۔

ابوامامہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں جو بھی آدمی دس یا ان سے زیادہ آدمیوں کا امیر بنتا ہے قیامت کے دن اسے اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن میں باندھا گیا ہوگا یا اس کی نیکی اسے چھڑالے گی یا اس کا گناہ اس کو باندھ دے گا۔

(احمد،بھیقی،ابویعلی،طبرانی میں مختلف الفاظ سے یہ روایت صحیح سند سے مروی ہے)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ظالم حکمران کو ہوگا۔(طبرانی فی الاوسط،ابو نعیم فی الحلیة ،ابو یعلی فی مسنده)

امام ماوردیؒ نے مسلم حکمران کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان میں سے ایک ہے دین کا تحفظ اس کے مستقل اصولوں اور سلف کے اجماع کے مطابق کرنا۔اگر کوئی بدعتی یا شبہ میں مبتلا شخص اس سے روگردانی کرتا ہے تو اس کے سامنے دلائل واضح کرتا ہے اس کے حقوق وحدود کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے تاکہ دین ہر قسم کے خلل سے اور امت سے گمراہی سے محفوظ رہے۔امیر کا کام یہ بھی ہے کہ اختلاف کرنے والوں میں احکام نافذ کرے اور تنازعات کے فیصلے نمٹائے ،تاکہ انصاف کا بول بالا ہو ظلم نہ ہو اور مظلوم کمزور نہ سمجھا جائے۔حدود نافذ کرے تاکہ اللہ کے محارم کی حفاظت ہو اور بندوں کے حقوق ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔(احکام السلطانیة للماوردی:۱۵-۱۶)

ابن المبارکؒ کہتے ہیں: اللہ حکمران کے ذریعے ظلم ختم کرتا ہے یہ ہمارے دین و دنیا کے لیے رحمت ہے اگر خلافت نہ ہوتی تو راستے محفوظ نہ ہوتے اور طاقتور کمزوروں کو لوٹ لیتے۔

دوسری ذمہ داری: عوام اور حکمران کے درمیان رکاوٹیں اور پردے حائل نہ ہوں بلکہ حکمران کے دروازے ہر وقت عوام کے لیے کھلے رہیں۔عمرو بن مرہؓ نے معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو بھی امام،حکمران ضرورت مندوں اور غریبوں کے لیے بند رکھتا ہے اللہ اس کے لیے آسمانوں کے دروازے بند کردیتا ہے معاویہؓ نے لوگوں کی ضروریات اور حاجات کے لیے آدمی مقرر کردیا۔(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابویعلیٰ،حاکم)

ابومریم ازدیؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جس کو مسلمانوں کے امور کا نگہبان بنادے اور وہ ان کی ضروریات وشکایات سننے کے بجائے درمیان میں رکاوٹیں کھڑی کردے اللہ اس کے لیے رکاوٹیں پیدا کردیتا ہے۔ایک روایت میں ہے اللہ جس کو مسلمانوں کا حاکم بنائے پھر وہ مظلوموں اور مساکین کے لیے دروازے بند کردے اللہ اس کے لیے اپنی رحمت کا دروازہ بند کردیتا ہے حالانکہ یہ اللہ کی رحمت کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

(ابوداؤد، حاکم، بھیقی،بسند صحیح)

اسی لیے نبی ﷺ کے ہاں کوئی دربان نہیں ہوتا تھا جیسا کہ موجودہ دور کے حکمرانوں کے درباروں میں ہوتے ہیں۔انس بن مالکؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر بیٹھی رورہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو صبر کرو۔اس نے کہا آپ پر وہ مصیبت نہیں آئی جو مجھ پر آئی ہے اس لیے کہہ رہے ہیں اس عورت نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا کسی نے اس سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں وہ آپ کے دروازے پر آئی تو وہاں کوئی

دربان وچوکیدار نہیں پایا اس نے کہا میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:
صبر وہ ہے جو پہنچتے ہی کیا جائے۔(بخاری،مسلم،احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،ابویعلیٰ،بیھقی)
نبی ﷺ بحثیت امام المسلمین عوام کے حالات کا جائزہ لیتے تھے۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:
رسول اللہ ﷺ مریضوں کی عیادت کرتے تھے جنازے میں جاتے عام لوگوں کی دعوت قبول
کرتے تھے۔(ابن ماجہ،حاکم،ابویعلیٰ،ابن ابی شیبہ،طبرانی)
انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ راستے میں تھے کہ ایک عورت
نے آکر کہا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے کچھ کام ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام
فلاں کسی بھی گلی کے ایک طرف بیٹھ جا میں بات کرلیتا ہوں۔اس نے ایسا ہی کیا آپ ﷺ نے
اس سے بات کی اور جو اس کی ضرورت تھی وہ پوری کرلی۔(احمد،ابوداؤد)
انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نماز کے لیے تکبیر ہوجاتی۔آپ ﷺ کسی آدمی کے ساتھ اس کی
کسی ضرورت کے لیے بات کرتے بعض دفعہ بات اتنی طویل ہوجاتی کہ بعض لوگ اکتا جاتے۔
(بخاری،احمد،عبدالرزاق)

تیسری ذمہ داری: عوام کے فائدے کے امور سرانجام دینا ان پر نرمی وشفقت کرنا ان کی
غلطیوں سے درگزر کرنا جو جس قسم کے فیصلے کا مستحق ہے عدل کے ساتھ وہ فیصلہ کرنا۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سلیمان علیہ السلام سے متعلق ذکر کیا ہے:

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ (النمل:۲۰)

انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا کہ کیا ہوگیا مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا وہ غائب ہے؟
اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر کو اپنے عوام کی حالت سے باخبر رہنا چاہیے جب سلیمان علیہ السلام

کی نظروں سے ہدہد کا مسئلہ اوجھل نہیں تھا تو بڑے معاملات کیسے اوجھل ہوسکتے تھے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے
فرمایا ہے: اگر ایک فرات کے کنارے کوئی بھیڑیا کسی ہرن کے بچے کو پکڑلے تو عمر سے اس کا
سوال ہوگا۔ایسے حکمرانوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کے ہاتھوں ملک کے ملک برباد
ہوگئے مگر ان سے کوئی پوچھنے والا کوئی نہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔(تفسیر القرطبی:۱۳/۱۸۸)
یہ بات اس حدیث میں بھی مذکور ہے جسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا ہے: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے لیے جوابدہ ہے۔امام اپنے عوام
کے لیے،آدمی اپنے گھر کے لیے،نوکر مالک کے مال کے لیے جوابدہ ہے میرا خیال ہے آپ
ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آدمی اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس کے لیے جوابدہ ہے۔
(بخاری،مسلم)
سیار بن سلامہ ابی المنہال رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اپنے باپ کے ساتھ ابوبرزہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گیا اس
وقت میرے کانوں میں بالیاں تھیں اس وقت میں لڑکا تھا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: امراء قریش میں سے ہوں گے تین مرتبہ یہ کہا اور کہا کہ جب تک وہ تین کام کریں جب
فیصلہ کریں تو عدل کریں،جب ان رحم کی اپیل کی جائے تو یہ رحم کریں۔معاہدہ کریں تو پورا کریں
جس نے ان میں سے ایسا نہ کیا اس پر اللہ کی،فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔
(احمد،ابویعلیٰ،طبرانی ، بزار البتہ اس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حکمرانی قریش میں رہے گی)
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: میرا قریش پر اور قریش کا تم لوگوں پر حق
ہے کہ جب تک حکومت کریں عدل کریں،جب امانت ان کے حوالے کی جائے دیانت سے کام
لیں اور جب رحم کی اپیل کی جائے تو یہ رحم کریں۔(احمد،طبرانی رجالہ ثقات)
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری

جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ میں ایندھن جمع کرنے کاحکم دوں اورایندھن جمع ہوجائے پھر میں نماز کاحکم کروں ایک آدمی کوامامت کے لیے کھڑا کردوں اور پھر کچھ لوگوں کے پاس جاکران کے گھر جلادوں اوراس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگران میں سے کسی کو یہ معلوم ہوجائے کہ دوبوٹیاں یاپائے ملیں گےتو یہ لوگ عشاء میں ضرورآئیں گے۔

(بخاری،مالك،نسائی ،احمد،ابن حبان،بهیقی)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی ﷺ دعا کرتے تھے۔اے اللہ جوشخص میری امت میں سے کسی معاملے کانگہبان بنے اور وہ امت پرسختی کرے تو بھی اس پرسختی کراور جوحکمران نرمی کرے اللہ تو بھی اس نرمی کر۔(مسلم،احمد،ابن حبان،بهیقی)

عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدترین حکمران وہ ہے جوظلم اورسختی کرنے والا ہو۔(بخاری،مالك)

زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک آزادکردہ غلام ہنی کو ایک جگہ کاعامل بنایا اسے تاکید کردی کہ لوگوں پرظلم کرنے سے اپناہاتھ روکے رکھو،مظلوم کی بددعا سے ڈرو،مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے۔بھیڑبکریوں کوآنے دو۔مجھے ابن عوف اورعثمان کے چوپایوں سے بچاؤاگران کے مویشی ہلاک ہوگئےتو وہ مدینہ کھیتی اور کھجوروں کی طرف آجائیں گےاورکہیں گےامیرالمومنین کیاہم انہیں چھوڑدیں؟ گھاس اور پانی میری نزدیک سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں یہ لوگ دیکھتے اورسمجھتے ہیں کہ یہ ان کا پانی اورشہر ہے اورمیں نے زبردستی لیا ہے اس پر یہ جاہلیت میں جنگیں کرتے رہے ہیں اوراسلام آنے کے بعداسی پرصلح کرچکے ہیں اللہ کی قسم اگروہ مال نہ ہوتا جواللہ کی راہ میں (ان پر) خرچ کرتا ہوں میں ان کے شہروں کے ایک

بالشت برابرحصے کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا تھا۔(بخاری،مالك)

چوتھی ذمہ داری: حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبیداللہ بن زیادمعقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ اس وقت تکلیف وبیماری میں مبتلا تھے انہوں نے کہا میں تمہیں ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو میں نے پہلے تمہیں نہیں سنائی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جب کسی کولوگوں پرحکمران بنادیتا ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ کررہاہوتو مرنے کے بعداللہ اس پرجنت حرام کردیتا ہے۔

(بخاری،مسلم،ابن حبان)

ایک روایت میں حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں: معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے ان کے پاس عبیداللہ بن زیاد آئے تھے انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیث تمہیں سنارہا ہوں۔

آپ ﷺ فرمایا: جوبھی شخص مسلمانوں کاحکمران بنتا ہے ان کے لیے کوشش نہیں کرتا، خیرکوعاہی نہیں کرتا وہ جنت کی خوشبونہیں پائے گا حالانکہ وہ خوشبوسوسال کی مسافت تک آتی ہے۔

(احمد،طبرانی،ابن ابی شیبه،ابن عبدالبر،ابو نعیم)

ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص بھی مسلمانوں کاامیر بنتا ہےاورامت کے لیے خیرخواہی اورکوشش نہیں کرتا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(مسلم،ابوعوانه،بهیقی)

ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس حکمران نے اپنے عوام کے ساتھ فریب کیا وہ جہنم میں جائے گا۔(طبرانی،ابوعوانه،ابن عساکر)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: (دجال کا ذکر کرتے ہوئے) میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے مگر میں تمہیں اس کے بارے میں ایسی بات کرتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کی اور وہ یہ کہ وہ بھینگا ہے جب کہ رب بھینگا نہیں

ہے۔(بخاری،مسلم ودیگر بہت سی کتب......)

پانچویں ذمہ داری: لوگوں کے حقوق عدل کے ساتھ پورے کرنا خاص کر یتیموں اور بیواؤں، مساکین وفقراء کےاوران کے حالات کا خیال رکھنا۔

ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مرنے والے آدمی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سوال کرتے تھے کہ اس پر جتنا قرضہ ہے اس کے برابر (یا زائد) اس نے مال چھوڑا ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہوتا تو جنازہ پڑھا لیتے ورنہ مسلمانوں سے کہتے کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو جب اللہ نے فتوحات نصیب فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں مسلمانوں کی جانوں کا ان سے زیادہ ذمہ دار ہوں اب جو مسلمان مرے گا اور اس پر قرضہ ہوگا تو وہ میں ادا کروں گا اور جو مرے گا اس کا مال اس کے ورثاء کا ہے۔(بخاری،احمد)

ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کا ہے اور جس نے قرضہ چھوڑا وہ ہم پر ہے۔(بخاری،مسلم،ابوداؤد)

علی ؓ سے مروی ہے نبی ﷺ نے علی اور فاطمہ ؓ سے فرمایا: میں تمہیں نہیں دے سکتا جبکہ اہل الصفہ کے پیٹ (بھوک سے) دوہرے ہورہے ہیں اور ایک مرتبہ جب فاطمہ ؓ نے آپ ﷺ سے غلام مانگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں اس حال میں تمہیں کیسے دے دوں کہ کہ اہل الصفہ کے پیٹ دوہرے ہورہے ہیں۔(احمد،بیھقی،ابو نعیم)

جبیر بن مطعم ؓ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ ﷺ حنین سے واپس لوگوں کے ساتھ آرہے تھے لوگ آپ کے ساتھ چمٹ گئے یعنی آپ سے مال مانگنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ایک کیکر کی جھاڑیوں کی طرف دھکیل لے گئے آپ ﷺ کی چادر کانٹوں

میں الجھ گئی آپ ﷺ نے فرمایا: میری چادر مجھے دیدو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس ان کانٹوں کے برابر مال ہوتا تو وہ بھی میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا تم مجھے پھر بھی کنجوس، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔(بخاری،مسلم،نسائی،ابن حبان،مالك،ابو یعلی،طبرانی،بزار)

احمد نے موسیٰ بن طلحہ ؒ سے روایت کی کہ: عثمان بن عفان ؓ منبر پر تھے اور موذن تکبیر کہہ رہا تھا جبکہ آپ ؓ لوگوں سے ان کی ضروریات پوچھ رہے تھے۔

چھٹی ذمہ داری: مسلمانوں کے مال کا تحفظ ان کی مصلحتوں کا خیال رکھنا عمالِ حکومت کا محاسبہ کرنا۔

ابوحمید الساعدی ؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ازد قبیلے کے ایک آدمی ابن الاتبیہ کو عامل بنایا زکاۃ جمع کرنے کے لیے جب وہ (زکاۃ جمع کر کے لایا) تو کہنے لگا یہ آپ کے لیے ہے اور یہ کچھ مجھے تحفے میں دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی اپنے باپ کے گھر میں بیٹھے اور پھر دیکھے کہ اسے کوئی تحفہ دیتا ہے یا نہیں؟ اللہ کی قسم اس مال میں سے جو کچھ لے گا قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر لاد کر لائے گا اگر اونٹ ہوگا تو وہ آوازیں دے رہا ہوگا اگر بکری ہوگی تو وہ آوازیں دے رہی ہوگی پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ میں نے پہنچادیا تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔(بخاری،مسلم،احمد،ابوعوانه،بھیقی)

عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرمایا: تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہوگا امام ذمہ دار ہے اس سے عوام کے بارے میں پوچھا جائے گا آدمی اپنے گھر میں ذمہ دار ہے اور اس کے لیے جواب دہ ہے عورت اپنے گھر میں ذمہ دار ہے اور اس کے لیے جواب دہ ہے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ذمہ داری

کے لیے جوابدہ ہے۔(بخاری،مسلم،احمد)

ساتویں ذمہ داری: ملک کی حفاظت، دیاراسلام کا دفاع، مال وجان کا تحفظ امت کوخطرات سے محفوظ رکھنے کی کوششیں کرنا۔

اللہ کا فرمان ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ(التوبہ:٣٦)

مشرکین سے قتال کروسب کے ساتھ کہ جب تک وہ تم سے لڑتے رہیں۔

فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً

(التوبة:١٢٣)

ایمان والوجو کفار تمہارے ساتھ لڑتے ہیں ان سے لڑواورتم میں ان کے لیے سختی ہونی چاہیے۔

اللہ نے متعدد آیات میں کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مدار وبنیاد امام پر ہے اس لیے کہ امام ہی فوجیں تیار کرتا ہے وہی دستے روانہ کرتا ہے۔غنیمت وفئی تقسیم کرتا ہے معاہدے کرتا ہے اسی لیے علماء نے کہا ہے جہاد کا دارومدار امام پر ہے اگر امام نہ ہواور مصلحت کا تقاضا ہوتو جہاد کو مؤخر نہیں کیا جاسکتا۔جو بہتر آدمی ہووہ لوگوں کواس مہم پر روانہ کرسکتا ہے۔(المغنی:٨/٣٥٢-٣٥٣)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ بہترین اور بہادر ترین اورسب سے زیادہ سخی تھے ایک مرتبہ مدینہ والے کسی آواز کوسن کرگھبرا گئے اورآواز کی سمت چل پڑے تو آگے سے نبی ﷺ تشریف لا رہے تھے آپ ﷺ پہلے جا کر معلوم کر چکے تھے اورگھوڑے کی ننگی

پیٹھ پر تھے آپ ﷺ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ﷺ کے گلے میں تلوار لٹک رہی تھی۔

(بخاری،ترمذی،احمد،بیھقی،ابویعلیٰ)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے پوچھا تم لوگ حنین والے دن بھاگ گئے تھے؟ براء رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے بلکہ جلد باز قسم کے لوگ بھاگے تھے اور قبیلہ بنوہوازن نے ان پر تیر برسائے تھے جبکہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر تھے۔سفید خچرنی پر تھے اور ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ نے خچرنی کی لگام پکڑ رکھی تھی نبی ﷺ فرما رہے تھے میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔(بخاری،مسلم،ابوداؤد،نسائی)

سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہا اور دیگر دستوں کے ساتھ گیا ہوں ان کی تعداد نوغزوات کی ہے ایک مرتبہ ہمارے امیر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور ایک مرتبہ اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔(بخاری،مسلم،ابوعوانہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میرے پیچھے رہنے والوں کو میرے ساتھ نہ جانے کا دکھ ہوگا اور میرے پاس اتنی جنگی سواریاں ہیں نہیں کہ سب کو دیدوں تو میں کسی غزوہ سے کبھی پیچھے نہ رہتا اللہ کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتال کروں اور شہید ہوجاؤں پھر زندہ ہوجاؤں پھر شہید ہوجاؤں پھر زندہ ہوجاؤ پھر شہید ہوجاؤں۔

(بخاری،مسلم،طبرانی)

جہاد کے لیے دستے اور لشکر روانہ کرنا امیر کا کام ہے۔امراء وعمال مقرر کرنا بھی امام کی ذمہ داری ہے یہی نبی ﷺ کی ہدایت ہے۔جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے ساحل کی طرف ایک فوجی دستہ روانہ کیا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا یہ تین سو افراد تھے میں بھی ان میں شامل تھا۔ہم راستے میں تھے کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جتنا

کھانے کا سامان ہے سب کوایک جگہ جمع کرواس میں سے روزانہ حسب ضرورت تھوڑا سا کھانا ہر شخص کودیا جاتا تھا وہ بھی ختم ہوگیا اور ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملتا تھا۔

(بخاری،ابن حبان، ابوعوانه،مالك)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ شہید ہوجائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اگر وہ شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس غزوہ میں تھا ہم نے تلاش کیا تو جعفر کو مقتولین میں پایا ان کے جسم میں نوے سے زیادہ تیر وتلوار کے زخم تھے۔(بخاری،ابن حبان)

ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام کی ذمہ داری ہے سرحدوں کا تحفظ کہ دشمن کو اس طرح غلبہ حاصل نہ ہو کہ وہ عزتیں پامال کرے یا کسی مسلمان کا خون بہائے۔ امام پر اسلام دشمنوں سے جہاد کرنا واجب ہے تاکہ اللہ کا دین تمام ادیان (باطلہ) پر غالب آجائے۔(الاحکام السلطانیه:١٦)

فاجر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا فائدہ

سوال: اکثر مجاہدین سوال کرتے ہیں بعض مقامات پر ہم نے دیکھا ہے کہ جہاد اور جہاد کی تیاری ایسے امراء کرواتے ہیں جن میں کچھ عیوب ونقائص ہوتے ہیں یا فسق وبدعت ہوتی ہے کیا ان امراء کی معیت میں جہاد ہوسکتا ہے؟ یا بہتر یہ ہے کہ ان کے ساتھ جہاد نہ کیا جائے بلکہ کسی اور متقی اور باکردار شخص کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے؟ جب مجاہد کو ان فاسقوں کے علاوہ کوئی نہیں ملتا اور ان کے ساتھ جہاد نہیں کیا جاتا تو جہاد کا سلسلہ کلیۃً ترک ہوجاتا ہے تو کیا ایسے میں ان امراء کے ساتھ مل کر جہاد کیا جاسکتا ہے؟ کیا ایسے امیر کی اطاعت بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح متقی عادل امیر کی ہے۔؟

جواب: اس سوال کے جواب سے قبل ہم فاجر کی تعریف کرنا چاہتے ہیں فاجر کہتے ہیں جو عادل نہ ہو۔ عادل کا مطلب ہے آدمی اپنے دین میں صحیح ہو۔ ماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عدل ہر اس عہدے کے لیے معتبر وضروری ہے عدل کا معنی سچ بولنا، دیانتداری، محرمات سے اجتناب، برائیوں سے بچنا، مشکوک کاموں سے اجتناب کرنا غصہ وخوشی میں خود پر قابو رکھنے والا دین ودنیا میں اعتدال کی راہ اپنانے والا اجمالی طور پر دو باتیں اس میں اہم ہیں:

① دین کے لحاظ سے اصلاح یعنی فرائض کی ادائیگی محرمات سے اجتناب کہ گناہ کبیرہ نہ کرے اور صغیرہ پر مداومت نہ کرے۔

② سنجیدگی ومتانت۔ یعنی ایسے کام کرنا کہ جو انسان کی خوبصورتی وخوبی کا باعث ہوں اور غلط اور معیوب کاموں سے اجتناب کرے۔(منارالسبیل:٢/٤٨٧-٤٨٨)

فاسق وفاجر وہ ہے جو ظاہری طور پر گناہ کا ارتکاب کرتا ہو کبائر پر مصر رہتا ہو ان سے توبہ نہیں کرتا رکتا نہیں ہے وعظ ونصیحت اس پر اثر نہیں کرتا۔ اب آتے ہیں سوال کے جواب کی طرف اس کی تین شقیں ہیں یا تین طرح کا زاویہ نگاہ ہوسکتا ہے۔

① یہ جاننا لازم ہے کہ علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ فاسق فاجر کو عہدہ نہیں دیا جاسکتا اور جس آدمی کے اختیار میں عہدہ دینا ہے اس پر لازم ہے کہ کسی عہدے پر عادل اور صالح آدمی کا تقرر کرے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے:

قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ(البقرة:١٢٤)

میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

ارشاد ہے:

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ(القصص:٢٦)

آپ جو مزدور رکھنا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ قوی اور دیانتدار ہو۔

اسی لیے علماء نے کہا ہے جس آدمی نے فسق، فجور اور بدعت کا اظہار کیا اسے مسلمانوں کا امام نہیں بنایا جاسکتا امامت کس فاسق فاجر کو نہیں دی جاسکتی یہ لوگ تو تعزیر کے لائق ہیں جب تک توبہ نہ کرلیں اس وقت تک ان سے قطع تعلق کرنا بہتر ہے۔اس کے لیے اللہ کا یہ فرمان بنیاد ہے:

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ(البقرہ:١٢٤)

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند کلمات سے آزمایا اور ابراہیم (علیہ السلام) نے وہ کلمات پورے کیے تو اللہ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا امام بناتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میری اولاد میں سے بھی بنادے اللہ نے فرمایا میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

لہٰذا ظالم وفاجر شخص کو امام نہیں بنایا جاسکتا مسلمان پر لازم ہے کہ ایسے امیر کے بارے میں بہتر ذمہ داری کا مظاہرہ کرے جب تک اس کو تبدیل کرکے صالح عادل امیر نہ آجائے۔

② اگر اس طرح نہ ہوسکے اور امیر فاسق وفاجر یا بدعتی ہو تو پھر مسلم مجاہد کو اگر موقع ملتا ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی بہتر امیر کے ساتھ مل جائے تو ملنا چاہیے اور فاجر کے ساتھ کام نہ کرے اس سے دو فائدے ہوں گے ایک تو جہاد کسی صالح امیر کے تحت ہوگا دوسرا یہ کہ اس فاجر امیر کی اصلاح ہوجائے گی کہ جب اس کو چھوڑ دیا جائے گا اس سے دوری اختیار کرلی جائے گی تو اسے احساس ہوجائے گا۔جیسا کہ مسجد کا امام ہوتا ہے کہ جب کچھ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ کر کسی اور کے پیچھے پڑھنا شروع کردیں تو اس کا اثر اس منکر پر پڑے گا جو اس کے اندر پائی گئی ہے پھر وہ

اس سے توبہ کرلے گا اس طرح اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرنا شرعی مصلحت ہوتی ہے بشرطیکہ مقتدیوں کا جمعہ اور جماعت فوت نہ ہو اسی طرح جہاد میں بھی کرنا چاہیے۔

(شرح العقيدة الطحاويه :٤٢٣)

اگر کسی مسلمان کو فاجر فاسق امام کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ملے کسی بھی وجہ سے اور اسکی معیت میں جہاد ترک کرنے سے مکمل طور پر جہاد رہ جاتا ہے تو پھر یہاں جواب کی دو شقیں بنیں گی۔

① اگر امام کے فجور اس ذات تک محدود ہوں مثلاً شراب پیتا ہو مال غنیمت میں غبن کرتا ہو یا اس کا فسق وبدعت ایسی نہ ہو کہ اس کی بنیاد پر جہاد کو باطل کردیا جائے تو ایسے امام کے ساتھ مل کر جہاد کیا جاسکتا ہے اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کی جائے گی بشرطیکہ اس کی اطاعت اللہ رسول اللہ کی معصیت نہ ہو اور جب تک یہ فجور جہاد کی مصلحت میں مخل نہ ہو یہ بھی تب ہے کہ جب امام کی اصلاح کی کوشش ہر وقت جاری رہے اور اس کے لیے اصلاح کی دعا بھی کی جاتی رہے اس بنیادی مسئلہ پر پہلے دلائل دیئے جاچکے ہیں۔یہ حکم جو میں نے ذکر کیا ہے یہ اہل سنت والجماعۃ کے ہاں تسلیم شدہ ہے خرقی کا قول ہے کہ ہر نیک وفاجر کی معیت میں جہاد ہوسکتا ہے اس قول پر ابن قدامہ رحمہ اللہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے مراد یہ ہے کہ ہر امام کے ساتھ مل کر جہاد کیا جاسکتا ہے۔امام اہل السنۃ ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک آدمی کے بارے میں سوال ہوا جو کہتا ہے کہ میں جہاد نہیں کروں گا اور اسے عباس کے بیٹے نے پکڑلیا ہے کیا ان (عباسیوں) کو مال فئی پورا دیا جائے گا۔؟

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا یہ ت وبرے لوگ ہیں جاہل ہیں خود بیٹھے ہوئے ہیں ان سے کہا جائے گا تم خود تو بیٹھے ہو اور دوسروں کو جہاد کا کہہ رہے ہو تو کون جائے گا؟ کیا اسلام ختم نہیں ہوا روم کیا

کرے گا؟ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر جہاد واجب ہے ہر نیک وفاجر امیر کے ساتھ۔ (ابو داؤد، ابو یعلیٰ)
ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ لابأس بہ باسنادہ الا یہ کہ مکحول جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو
مکحول نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین
باتیں ایمان کی بنیاد ہیں ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے والے کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہیں کسی عمل کی وجہ
سے کسی اسلام سے خارج نہ کریں۔ جہاد اس وقت تک جاری ہے جب سے مجھے اللہ نے مبعوث
فرمایا ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب میرا آخری امتی دجال سے جنگ کرے گا اور تقدیر
پر ایمان لانا۔ (ابو داؤد، سند میں یزید بن ابی نشبہ مجہول ہے)

فاجر امام کی معیت میں جہاد نہ کرنے سے جہاد ختم ہوسکتا ہے اور کفار مسلمانوں پر غالب آجائیں
گے اس میں بڑا فساد ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَوْ لاَ دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرۃ: ۲۵۱)

اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے نہ دباتا تو زمین میں فساد ہوجاتا۔

(المغنی والشرح الکبیر)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں میں قوت کا جمع ہونا اور دیانتداری کم ہے اسی لیے
عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں فاجر کی طاقت اور بھروسہ کی کمی سے لہٰذا ہر
عہدے کے لیے نسبتاً صالح آدمی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ حرب وجنگ میں طاقتور اور دلیر آدمی کا
چناؤ کرنا چاہیے اگرچہ اس میں کچھ فجور رہوں بجائے کمزور آدمی کے اگرچہ وہ دیانتدار ہو۔
جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے دو آدمیوں کے بارے میں سوال ہوا دونوں غزوہ کے امیر ہیں ای

طاقتور فاجر ہے دوسرا صالح کمزور ہے دونوں میں سے کس کے ساتھ مل کر غزوہ میں شریک
ہوا جائے؟ جواب دیا جو فاجر قوی ہے اس کی قوت مسلمانوں کی قوت ہے جبکہ اس کے گناہ اس
کے لیے ہیں جبکہ نیک اور صالح کمزور آدمی جو ہے اس کی نیکی اس کے لیے ہے اور کمزوری
مسلمانوں کے لیے (مصیبت بنے گی) لہٰذا طاقتور فاجر کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونا چاہیے۔
نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ اس دین کو فاجر آدمی کے ذریعے سے قوت دے گا یہ بھی روایت ہے ایسے
لوگوں کے ذریعے جن کا (دین میں) کوئی حصہ نہ ہوگا۔ (بخاری، نسائی، ابن حبان)
اگر ایک آدمی فاجر نہیں ہے (اور طاقتور ہے) تو یہ زیادہ مستحق ہے کہ اسے جنگ کے لیے امیر بنالیا
جائے اگرچہ اس سے زیادہ صالح لوگ موجود ہوں مگر اس کی طرح جنگ کے لیے کارآمد نہ
ہوں۔ (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۲۸/۲۵۴-۲۵۵)

اس مسئلہ سے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا ہے
اگر ان تاتاریوں کے مقابلے کے لیے صحیح اور مکمل طریقے سے لوگ متفق ہوجائیں تو یہ اللہ کی
رضامندی، دین کے قیام، کلمۃ اللہ کی بلندی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے لیے بہتر ہے
بلکہ مقصود ہے اور اگر ان میں سے ایسا بھی ہو جس میں فجور وفسادنیت ہو مثلاً بعض امور میں
ریاست کی خلاف ورزی کرتا ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف قتال کرنا
چاہیے اس لیے کہ تاتاریوں سے قتال نہ کرنے کی صورت میں بہت بڑا فساد ہوگا لہٰذا ان کے
ساتھ قتال کرنا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ چھوٹے فساد کے بجائے بڑے فساد کو روکنا ضروری ہے
یہ اسلام کا اصول ہے اس کی پابندی ضروری ہے اسی لیے اہل سنت والجماعت کے اصول میں
ہے کہ ہر نیک وبد کے ساتھ مل کر غزوہ کیا جائے۔ بلکہ خلفاء راشدین کے بعد اکثر غزوات اسی

طرح کے ہوئے ہیں۔ نبی ﷺ سے منقول ہے فرمایا: قیامت تک گھوڑوں کی پیشانی میں خیر
لکھا گیا ہے اجر اور غنیمت۔(بخاری،مسلم،احمد،نسائی،ترمذی،ابو داؤد)

یہی مطلب اس حدیث میں بھی بیان ہوا ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے
فرمایا: جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک میری امت کا آخری آدمی دجال کے ساتھ قتال
نہ کرے کسی ظالم کا ظلم یا عادل کا عدل اسے باطل نہیں کر سکتا۔مشہور حدیث ہے: میری امت کا
ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور قیامت تک کوئی انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔(بخاری، مسلم)

ان کے علاوہ بھی نصوص ودلائل ہیں جن کی بنیاد پر اہل سنت والجماعت نے اس بات پر اتفاق کیا
ہے کہ جو بھی امیر مستحق جہاد ہے اس کے ساتھ مل کر جہاد کیا جا سکتا ہے چاہے فاجر ہو یا صالح البتہ
روافض اور خوارج نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ایک حدیث میں مذکور ہے عنقریب فاجر، ظالم
اور بد دیانت امیر ہوں گے جس نے ان کے جھوٹے ہونے کے باوجود ان کی تصدیق کی ان کے
ساتھ تعاون کیا وہ مجھ سے نہیں نہ میں اس سے ہوں (میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں) نہ ہی وہ حوض
کوثر پر آئے گا اور جو ان کی تصدیق نہیں کرے گا گ ان کے ظلم میں ان کے ساتھ تعاون نہیں
کرے گا وہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں اور وہ حوض کوثر پر عنقریب آئے گا۔

(ابن ماجه،طبرانی، حاکم)

جب آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ نے جہاد کا حکم دیا ہے اور یہ امراء کے تحت ہوگا، قیامت
تک جاری رہے گا اور یہ کہ نبی ﷺ نے ظالموں کے ساتھ تعاون کرنے سے منع کیا ہے تو آدمی
سمجھ جائے گا کہ درمیانہ راستہ جو خالص دین اسلام کا راستہ ہے وہ یہ ہے کہ جہاد کرنا ہے اور ان
لوگوں کی معیت میں بھی کرنا ہے جن کے بارے میں بات ہو رہی ہے کہ ہر امیر کے ساتھ مل کر

جہاد ہو اس لیے کہ اسلام کے لیے جہاد ضروری ہے اور جب ان کے بغیر نہیں ہوتا تو اسی طرح کرنا
ہوگا البتہ ان کے ان احکام کی اطاعت کی جائے گی جو اللہ کی اطاعت کے ہوں اور جو اللہ کے
معصیت کے ہوں ان میں اطاعت نہیں کی جائے گی اس لیے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی
اطاعت نہیں ہوتی۔یہ ہے اس امت کا بہترین طریقہ ہر مکلّف پر یہ طریقہ لازم ہے یہ درمیانہ
راستہ اور مسلک ہے بخلاف حروریہ کے ومرجئہ کے۔حروریہ نے پرہیزگاری کا جو غلط اور
خود ساختہ راستہ اپنایا ہے وہ ان کے علم کی کمی کی وجہ سے۔مرجئہ نے ہر قسم کے امراء کی مطلق
اطاعت کا راستہ اپنایا ہے اگرچہ وہ نیک اور صالح نہ ہوں (یہ دونوں مسلک غلط ہیں)۔

(مجموع الفتاویٰ :٢٨/ ٥٠٦-٥٠٨، شرح عقیدة الطحاویه :٤٢٢-٤٢٣)

عقیدہ طحاویہ کے شارح کہتے ہیں: (مصنف کا یہ قول کہ) حج اور جہاد مسلمان امراء نیک وبد کی
معیت میں قیامت تک جاری رہیں گے کوئی چیز ان کو ختم یا باطل نہیں کر سکتی۔شارح کہتے ہیں:
شیخ کا مقصد روافض کا ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ جہاد صرف اس صورت میں ہوگا جب آل محمد میں سے
ایک راضی نہ ہوا اور آسمان سے آواز نہ آئے کہ اس کی اتباع کرو۔یہ قول واضح طور پر باطل ہے ان
کی شرط ہے کہ امام معصوم ہو اس شرط کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم میں عوف بن مالک
الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بہترین امام وہ ہیں جنہیں تم پسند
کرو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہوں وہ تمہارے لیے اور تم ان کے لیے دعائیں کرو اور تمہارے
برے امام وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہوں تم ان پر اور وہ تم پر لعنت
بھیجتے ہوں۔میں نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہم ایسے میں ان کو چھوڑ نہ دیں؟ آپ ﷺ نے
فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں یاد رکھو جس نے اپنے امیر و حکمران میں اللہ کی معصیت

کا کوئی کام دیکھ لیا تو اس کام وعمل سے نفرت کرے مگر امیر کی اطاعت سے نہ نکلے۔اس حدیث میں جن امراء کا ذکر ہے امت میں اس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔امام کا معصوم ہونا یہ کسی نے نہیں کہا۔(شرح عقیدہ طحاویہ :٤٣٧)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے لیے باب باندھا ہے۔((باب الجهاد ماض مع البر والفاجر لقول النبی ﷺ الخيل معقود في نواصيها الخير الى يوم القيامة))باب ہے اس بارے میں کہ جہاد جاری ہے ہر نیک اور فاجر کی معیت میں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک خیر ہے۔دوسری روایت میں الفاظ ہیں: گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لیے خیر ہے اجر یا غنیمت)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ قیامت تک گھوڑوں کی پیشانی میں خیر ہے اس سے مراد جہاد کے گھوڑے ہیں اور خیر سے مراد ہے غنیمت واجر، اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب امام عادل کی امارت میں جہاد ہوگا اس فضیلت کے حصول میں اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ جہاد ظالم امام کی معیت میں ہو یا عادل کی، ترغیب جہاد کی ہے گھوڑوں کی نہیں ہے۔(فتح الباری:٦/٥٦)

فاجر امام کی معیت میں جب جہاد کیا جاسکتا ہے تو اس کے پیچھے نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے جب اس کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنے میں فساد زیادہ ہو یا اگر اس کے پیچھے نہ پڑھیں تو نماز نہیں ہو رہی ہو۔یہ بھی اہل سنت کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے اس کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جو حکمران عدل سے فیصلہ کرتا ہے اور عدل سے تقسیم کرتا ہے تو ان معاملات میں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے گا اسی طرح اگر ''امر

بالمعروف ونہی عن المنکر'' کرتا ہو پھر بھی تعاون کیا جائے گا اگر اس میں بہت زیادہ فساد نہ ہو ایسے لوگوں کو جمعہ وجماعت کے امام بھی بنایا جاسکتا ہے البتہ اگر صالح ونیکوکار امام دستیاب ہو تو فاجر و گناہ گار اور ظاہری بدعات کرنے والے کو امام نہیں بنانا چاہیے بلکہ حسب استطاعت ایسے لوگوں کی امامت پر اعتراض کرنا چاہیے اور اگر ایسا ہو کہ دو آدمیوں میں سے کسی کو عہدہ دینا ہوگا اور دونوں بدعتی ہیں تو دونوں میں سے نسبتاً صالح کو امام بنانا واجب ہے جب غزوہ میں ایسی صورتحال ہو کہ دو افراد میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ضروری ہو گیا ہو اور ان میں سے ایک دیندار ہے مگر جہاد کے لیے کمزور ہے اور دوسرا گناہ گار ہے مگر جہاد کے لیے مفید ہے تو اس گناہ گار کو امیر بنایا جائے گا جس آدمی کی حکمرانی سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو اسے ہی امیر بنانا چاہیے۔

(منهاج السنة النبوية :٤/٥٢٦)

العقیدہ الطحاویہ کے شارح کہتے ہیں: اگر کسی آدمی کی بدعت یا گناہوں کے بارے میں علم نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے اس ائمہ کا اتفاق ہے یہ شرط نہیں ہے کہ مقتدی امام کا عقیدہ جانتا ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ اس سے عقیدہ معلوم کرے بلکہ مستور الحال کے پیچھے نماز پڑھتا رہے اگرچہ کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جو بدعتی ہے اور اپنی بدعت کی طرف دعوت دے رہا ہے یا کھلا فسق کر رہا ہے مثلاً تنخواہ دار امام جو جمعہ وعیدین وغیرہ کے لیے رکھے جاتے ہیں یا عرفہ کے دن کا امام، مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھے گا یہ سلف وخلف کا مذہب ہے اگر کسی نے بدعتی اور گناہ گار امام کے پیچھے نماز وجمعہ چھوڑ دیا تو وہ اکثر علماء کے نزدیک بدعتی ہے صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھے گا اس نماز کو دہرائے گا نہیں جیسے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کی امامت میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاجر ائمہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اسے دوبارہ نہیں لوٹاتے

تھے۔اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ولید بن عقبہ بن ابی معید کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وہ شراب پیتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے فجر کی چار رکعت پڑھائی اور پھر کہا اور پڑھادوں؟ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو کسی نے عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ عوام کے امام ہیں اور یہ جو نماز پڑھا رہا ہے یہ امام فتنہ ہے۔عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا نماز لوگوں کا بہترین عمل ہے جب لوگ یہ عمل کریں تو تم بھی ان کے ساتھ یہ عمل کرو اور جب وہ کوئی برا کام کریں تو اس سے اجتناب کرو۔شارح عقیدہ کہتے ہیں:اگر ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے سے مقتدی کی جماعت سے نماز اور جمعہ ضائع ہوتا ہو تو وہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک نہ کرے ایسا کرنے والا بدعتی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مخالف ہے اسی طرح اس نے معاملات نمٹانے کے لیے کسی کو مقرر کیا ہو اور اس کے پیچھے نماز ترک کرنے میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ چھوڑے بلکہ پڑھنا افضل ہے اگر انسان کے لیے ممکن ہو کہ کسی ظاہری منکر کے مرتکب کو امام نہ بنائے تو اس پر واجب ہے کہ ایسا نہ کرے اور اگر امام کسی اور نے مقرر کیا ہو اور اس کو امامت سے ہٹانا ممکن نہ ہو یا اس کو امامت سے ہٹانا کسی اور بڑے شر کا سبب بنتا ہو تو چھوٹے فساد کے بدلے میں بڑا فساد نہیں اپنانا چاہیے اس لیے کہ شریعت کا مقصد شر وفساد کو ختم کرنا یا کم کرنا ہے جماعت سے نماز اور جمعہ کا ترک بڑا فساد ہے بنسبت فاجر امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے خاص کر اس صورت میں کہ نماز چھوڑ دینے کے باوجود امام گناہوں کو نہ چھوڑتا ہو تو ایسے میں مفسدہ ختم ہونے کے بجائے شرعی مصلحت معطل ہوجائے گی۔(شرح عقيدة الطحاوية :٤٢٢-٤٢٣)

جواب کی دوسری شق اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ جب ایسے امیر کی نافرمانی جہاد کو نقصان پہنچا رہی ہو یا جہاد کا مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو مثلاً یہ کہ امیر اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرتا ہو یا جہاد

کے معاملے میں بددیانتی کرتا ہو یا مسلمانوں کے مرنے کی پرواہ نہ کرتا ہو اور یہ بھی کسی مصلحت کے بغیر ہو۔یا مسلمانوں کے خلاف قتال کر رہا ہوتا کہ کسی طاغوت کی حکمرانی قائم رہے یا اسلام کے خلاف کوئی نظام قائم ہو تو ایسے لوگوں کی معیت میں جہاد نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ انہوں نے امارة کے اصل مقصود کی مخالفت کی ہے۔(قرطبی:١/٢٧٢)

اسی لیے علماء نے فرق کیا ہے اس امیر میں کہ جس کے گناہ مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوں۔(المغني والشرح الكبير :١/٣٧١-٣٧٢)

مسلم حکمران ہو تو عوام کی ذمہ داریاں کیا ہوں گی؟

ایسے حکمران کی موجودگی میں عوام کی ذمہ داریاں مختصراً یہ ہیں:

سننا اطاعت کرنا مگر معصیت میں نہیں۔صبر کرنا اگرچہ عوام کے کچھ حقوق روک لے،اس کے لیے دعا کرنا،اس کی امارت کے تحت جہاد کرنا،زکاۃ اس کو دینا،اور شرعی آداب کے ساتھ اس کی خیر خواہی ونصیحت کرنا۔

پہلی ذمہ داری: سننا اور اطاعت کرنا مگر معصیت میں نہ ہو۔امیر کی اطاعت کرنا عبادت ہے جس کا اجر اللہ دیتا ہے اس لیے کہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔امیر کی اطاعت مسلمانوں کے اتحاد کا سبب ہے ان کی اطاعت سے لوگوں کے باہمی اختلافات واختلاف رائے ختم ہوجاتے ہیں جو اگر برقرار رہیں تو باہمی انتشار کا سبب بنتے ہیں جس کا نتیجہ مسلمانوں کی کمزوری ہے۔اسی لیے شریعت نے مسلمانوں کے اختلافات وتنازعات ختم کرنے کی نیت سے ایک امام کا تقرر مشروع قرار دیا ہے اور سننے واطاعت دونوں کا بیک وقت حکم دیا ہے اللہ نے اپنے مومن بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاسْمَعُوْا وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ(المائدۃ:۱۰۸)

اللہ سے ڈرتے رہو سنو اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مطلب یہ ہے کہ جو کہا جاتا ہے وہ سنو جو تمہیں کرنے کو کہا جائے وہ کرو اللہ کے حکم کی اتباع کرو۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ(البقرۃ:۱۰۴)

سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یعنی جو کچھ کہا جارہا ہے اسے سنو اور کتاب اللہ میں سے جو کچھ تمہیں بتایا جائے اسے یاد رکھو اور سمجھو، سننے کا حکم دینے کا مطلب ہے اطاعت کرنا قبول کرنا صرف کانوں سے سننا نہیں ہے جیسا کہ سمع اللہ لمن حمدہ ہے کہ اللہ نے حمد قبول کرلی۔کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے تو نو تھے۔پانچ تھے چار تھے فرمایا سنو کیا تم نے سن لیا میرے بعد امیر ہوں گے جو ان کے پاس گیا ان کے جھوٹ کو سچ کہا ان کے ظلم میں ان کا ساتھ دیا اس کا مجھ سے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ ہی وہ حوض کوثر پر آسکے گا اور جو ان کے پاس نہیں گیا ان کے ظلم پر ان کی مدد نہیں کی ان کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کی اس کا مجھ سے اور میرا اس سے تعلق ہے وہ حوض کوثر پر آئے گا۔(احمد ، ترمذی)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو سنو، سمجھو اور جان لو کہ اللہ کے کچھ بندے جو انبیاء نہیں ہیں نہ ہی شہداء ہیں مگر انبیاء وشہداء ان کے مقام ومرتبے اور اللہ سے ان کی قربت کی وجہ سے ان رشک کریں گے۔(احمد،دارمی)

سابقہ آیات واحادیث سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ سننا دو قسم کا ہے اور سمجھنا اور ہدایت بھی دو

قسم کی ہے اس تقسیم کے لیے دلائل بھی ہیں مثلاً اللہ نے کافروں کے لیے ایک قسم کا سننا اور سمجھنا اور ہدایت ثابت کیا ہے اور ان سے ایک اور قسم کے سننے، سمجھنے اور ہدایت کی نفی کی ہے، پہلی قسم سے مراد ہے ان پر حجۃ قائم کرنا یعنی حجۃ کو سمجھنا صحیح طریقہ سے۔جبکہ دوسری قسم جس کی نفی کی گئی ہے سے مراد وہ سننا، سمجھنا اور ہدایت ہے جو مومنوں کو حاصل ہے یعنی حجۃ قبول کرنا اس پر ایمان لانا اس سے فائدہ لینا اس کی تفصیل یوں بیان کی جاسکتی ہے۔

سماعت کی دو قسمیں ہیں: ایک ہے سماع ادراک اللہ نے کافروں کے لیے یہی سماعت ثابت کی ہے:

قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ(البقرۃ:۹۳)

کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بیٹھ گئی ہے۔

یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ(النساء:۴۶)

کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی سنو نہ سنا جائے۔

وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ ھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ(الانفال:۲۱)

ان کی طرح مت ہونا جو کہتے ہیں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ(الانفال:۳۱)

وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس طرح کا کلام بنا سکتے ہیں یہ صرف پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ (التوبۃ:۶)

اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔

يَسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا(الجاثية:٨)

اللہ کی آیات سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں پھر تکبر کرتا ہے جیسے اس نے سنی ہی نہیں۔

اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کانوں سے سنتے ہیں اور ایک وقت میں قلبی سماع کی نفی کی گئی ہے یہ دوسری قسم کا سماع ہے یعنی قبول کرنے، رہنمائی حاصل کرنے، فائدہ اٹھانے کا سماع ہے اس قسم کے سماع کی اللہ نے کفار سے نفی کی ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ

(الانفال:٢٣)

اگر ان میں خیر جانتا (یعنی اللہ کو معلوم تھا کہ ان میں خیر نہیں ہے) تو انہیں سنوا دیتا اگر انہیں سنواتا تو وہ منہ پھیر لیتے اور اعراض کرنے والے ہوتے۔

اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ(الانفال:٢١)

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے ہیں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

فرماتا ہے:

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ(الملك:١٠)

کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم جہنمیوں میں سے نہ ہوتے۔

اللہ نے ان کے لیے کانوں کی سماعت یعنی ادراک ثابت کر دیا ہے جیسے: ﴿**قالوا قد**

سمعنا﴾ اور قبولیت کی سماعت کی نفی کی ہے کہ ﴿**وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ** اور **لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ**﴾ اسی طرح اللہ یہ فرمان بھی اسی سے متعلق ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

(الانعام:٢٥)

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپ (ﷺ) کی بات کو غور سے سنتے ہیں مگر ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں۔

عقل کی دو قسمیں ہیں:

① وہ عقل جو دیوانگی وجنون کی ضد ہے جس کی وجہ سے یا موجودگی کی بنا پر ہی شرعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسی عقل کے ذریعے سے انسان معانی ومقاصد کو سمجھتا ہے یہ عقل کفار کے پاس تھی وہ مخاطب کی بات کو سمجھ لیتے تھے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ(البقرة:٧٥)

کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات کا یقین کر لیں گے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کرتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے۔

اس آیت میں اللہ نے کفار کی سماعت ثابت کی ہے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ وہ اللہ کے کلام کا معنی بھی سمجھتے تھے لیکن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

② دوسری قسم کی عقل ہے دلی طور پر کسی چیز کی سمجھ وادراک اور اس کے ساتھ خطاب کی قبولیت اور اس سے فائدہ حاصل کرنا بھی لازم ملزوم ہے اللہ نے اس قسم کی عقل کی کفار سے نفی کی

ہےجیسا کہ آیت گزری ہے:﴿وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ ......﴾ یا جیسا کہ فرمان ہے:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ(البقرة:١٧١)

گونگے بہرےاوراندھے ہیں عقل نہیں رکھتے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ(الفرقان:٤٤)

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ سن رہے ہیں یا سمجھ رہے ہیں یہ لوگ تو صرف چوپائے ہیں۔

ان کےعلاوہ دیگر آیات جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار کی عقل نہیں ہے یہ بھی اللہ نے بتلایا ہے کہ ان کی عقل بطور عذاب وسزاء چھین لی گئی ہے کہ یہ اللہ کے دین سے اعراض کرتے تھے۔جیسا کہ فرمان ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا(الكهف:٥٧)

کون ہے بڑا ظالم اس سے جس کو اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی اور اس نے اعراض کرلیا اور بھول گیا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا ہم نے ان کے دلوں پر تالے ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ڈاٹ اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ کبھی راہ نہ پائیں گے۔

اللہ نے یہ بتایا کہ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر ان کے لیے بطور سزاء کے لگائی گئی ہے اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات میں تدبر کرنے سے اعراض کرتے تھے ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے۔

ہدایت کی دوقسمیں ہیں:

① رہنمائی کرنا راہ دکھانا یہ ہدایت کفار کو دی گئی یعنی راستے کی طرف ان کی رہنمائی کردی گئی تھی جیسا کہ فرمایا ہے:

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى(الفصلت:١٧)

اور ثمود کو ہم نے راہ دکھائی مگر انہوں نے اندھے پن کو اختیار کرلیا ہدایت کے بدلے۔

انسان کے بارے میں اللہ نے یہی فرمایا:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا(الدهر:٣)

ہم نے اس کو راستہ دکھایا اب چاہے یہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ(الرعد:٧)

اور ہر قوم کے لیے ہدایت دینے والا ہے۔

ان کے علاوہ بھی اس مفہوم کو واضح کرنے والی آیات ہیں یہ ہے وہ ہدایت جو ثمود کو، تمام جنات اور انسانوں کافروں ومومنوں کو دی گئی یعنی اللہ نے ان سب کو اطاعات ومعاصی کی نشان دہی کردی اپنی پسند ناپسند سے آگاہ کردیا۔

② دوسری قسم کی ہدایت ہے قبول کرنے، اپنانے والی ہدایت اس قسم کی ہدایت کی اللہ نے کفار سے نفی کی ہے جیسا کہ فرمان ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ(القصص:٥٦)

(اے محمد ﷺ) آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہتے ہیں لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ(البقرة:۲۷۲)

آپ کے ذمہ ان کی ہدایت نہیں ہے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ نے واضح کر دیا کہ نبی ﷺ صرف راہ دکھانے کے ذمہ دار ہیں۔

جیسا کہ فرمان ہے:

اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ(یونس:۴۳)

کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھائیں گے اگر وہ نہیں دیکھتے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ(الروم:۵۳)

آپ اندھے کو اس کی گمراہی سے ہدایت کی طرف نہیں لا سکتے۔

اس طرح کی دیگر آیات بھی اس مقصد کو واضح کرتی ہیں اللہ نے کفار کے لیے جو سماعت اور رہنمائی ثابت کی ہے وہ ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ جو شخص کسی بھی وجہ سے خطاب اور بات نہ سمجھ سکتے اس کا حساب کیا جائے گا؟ ان کفار سے جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس سے دوسری قسم یعنی قبول کرنے اور اپنانے کی ہدایت مراد ہے۔یہی وہ ہدایت ہے جو اللہ نے مومنوں پر بطور احسان کے بیان کی ہے فرماتا ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ

يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا(النور:۵۱)

مومنوں کو جب اللہ ورسول (ﷺ) کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور مان لیا۔

دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ(محمد:۱۷)

جن لوگوں نے ہدایت قبول کی (اللہ نے) ان کی ہدایت اور تقوی میں اضافہ کر دیا۔

یہاں ہدایت سے مراد توفیق اور مدد ہے جو کسی بھلائی کی کسی کو دی جائے اور کسی کے دل میں پیدا کی جائے۔اطاعت کا حکم اللہ کے اس فرمان میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ(النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور صاحب اختیار لوگوں کی (جو) تم میں سے (ہوں)۔

قرآن میں اس طرح کا حکم بہت سی جگہ آیا ہے۔ایک جگہ اللہ نے سننے اور ماننے دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ

(تغابن:۱۶)

پس تم اللہ سے جہاں تک تم سے ممکن ہو ڈرو اور (اس کی بات) سنو اور اطاعت کرو اور اپنی ہی جانوں کے فائدے کے لئے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

اطاعت کا مطلب ہے حکم کو قبول کرنا اس کے مطابق عمل کرنا اس کی ضد معصیت ہے یعنی حکم کی

مخالفت کرنا اس کو ردّ کرنا آیت کا مفہوم ہے جس بات کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اسے سنو جو حکم دیا جاتا ہے اسے مانو جس سے منع کیا جاتا ہے اس سے رک جاؤ۔ مقاتل کہتے ہیں: یہاں سننے سے مراد ہے توجہ سے سنو جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے کتاب اللہ میں سے اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو جو بھی حکم دیں یا منع کریں کسی نے کہا ہے یہاں سننے سے مراد ہے قبول کرو جو کچھ سنتے ہو۔ اولی الامر کی اطاعت کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ (النساء:٥٩)﴾ ❶
اولی الامر سے مراد وہ ہیں جن کی اطاعت اللہ نے لازم قرار دی ہے چاہے حکمران ہوں یا علماء جمہور سلف وخلف مفسرین اور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔

(شرح نووی مسلم:١٢/٤٦٤-٤٦٥،ابن کثیر:١/٤٤٥)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے علماء وحکمرانوں میں سے اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے ساتھ ہی وضاحت کردی ہے کہ ان کی اطاعت اس بات سے مشروط ہے کہ وہ مسلمان ہوں (منکم) اسی لیے اہل علم نے کہا ہے کہ جن اولی الامر کی اطاعت واجب ہے ان سے مراد علماء اور فقہاء اور وہ حکمران ہیں جو اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں وہ حکمران مراد نہیں ہیں جو منکر کا حکم کرتے ہیں اور معروف سے روکتے ہیں جو لوگوں کو زبردستی کفر اپنانے پر مجبور کرتے ہیں یہ وہ اولی الامر نہیں جن کی اطاعت واجب ہے۔ بلکہ اولی الامر سے مراد وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں معروف

❶ اللہ کے اس فرمان پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کو علیحدہ سے نہیں کہا گیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ یعنی ضمن میں کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اولی الامر کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے تحت میں کی جائے گی جبکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے جبکہ اولی الامر کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں نہیں کی جاسکتی۔

کا حکم کرتے ہیں منکر سے منع کرتے ہیں۔ وہ امراءِ حق ہیں جو اللہ ورسول اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔ جبکہ ظالم، فاسق اور گناہ گار لوگ امام وحکمران نہیں بن سکتے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (البقرة:١٢٤)﴾ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے یہ ہوں یا کوئی اور معصیت میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جابر بن عبداللہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابوالعالیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں: کہ اولی الامر سے مرد اہل القرآن والعلم والفقہ ہیں امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ ضحاک کا بھی یہ قول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: اس سے مراد علماء وفقہاء ہیں۔ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ ......﴾ کا مطلب ہے تنازعات کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اللہ کے پاس لیجایا کرو اولی الامر کے پاس مت لیجایا کرو۔ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ فقہاء ودیندار لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں اللہ نے اپنے بندوں پر ان کی اطاعت واجب کردی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور میمون بن مہران رحمہ اللہ مقاتل اور کلبی سے روایت ہے اولی الامر سے مراد ہے فوجی دستوں کے امیر، سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ علماء اور بادشاہ کی تعظیم کرتے رہیں گے جب لوگ ان دونوں کی تعظیم کریں گے اللہ ان کی دنیا وآخرت کی اصلاح کرے گا اور اگر یہ ان دونوں کو حقیر جانیں گے اللہ ان کی دنیا وآخرت برباد کردے گا۔ (تفسیر القرطبی:٥/٣٦٢)

معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر سے حکمران وعلماء دونوں مراد ہیں اس لیے کہ حکمران فوج کے امور اور دشمن سے جنگ کرنے کی تدابیر کرتے ہیں جبکہ علماء شریعت کا تحفظ کرتے ہیں اور حلال وحرام

جائز وناجائز کے بارے میں بتاتے ہیں اس لیے اللہ نے ان کی اطاعت کاحکم دیا ہے عادل حکمرانوں اورعلماء کی بات ماننے کاحکم دیا ہے۔امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:اولی الامر سے مراد ائمہ وبادشاہ اورقاضی ہیں اور ہر وہ عہدے دارجس کے پاس شرعی عہدہ ہوطاغوتی نہ ہو۔

(فتح القدير:۱/۴۸)

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت ہرحال میں کی جائے گی جبکہ اولی الامر میں سے ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن کی اطاعت کی جائے اورایسے بھی ہوں گےجن کی اطاعت نہ کی جائے ﴿فان تنازعتم﴾ میں یہ بتایا گیاہے کہ حکمران اگرحق نہیں جانتے توان کی اطاعت مت کرواورجس میں تم باہم اختلاف کرواسے اللہ ورسول ﷺ کےحکم کی طرف لوٹادو۔(فتح الباری:۱۳/۱۱۲)

۞ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے اگر معصیت کا حکم کاحکم دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنی ہے۔(بخاری،مسلم،احمد)

۞ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعاً روایت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اورجس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

امام ڈھال ہوتاہےجس کی آڑلے کرقتال کیاجاتاہےاگرامیرتقوی اورعدل کےساتھ حکم کرتاہے تواس کے لیےاجرہےاگرایسانہیں کرتاتواس کے لیےوبال ہے۔(بخاری،مسلم، احمد،نسائی)

اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہروہ امیرمراد ہے جوآپ ﷺ کی شریعت کےمطابق امیر بناہو۔ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے میرے امیر کی اطات کی ایک روایت میں الامیر ہے دونوں کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ امیر جوحق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرتا ہوتو وہ شارع علیہ السلام کا امیر ہے اس لیے کہ وہ شریعت کا ذمہ دار ہے۔اس حدیث سے اولی الامر کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ وہ معصیت کاحکم نہ کریں امیر کی اطاعت کاحکم اس لیے دیا گیاہے تاکہ افتراق وفساد نہ ہو۔(فتح الباری:۱۳/۱۱۲)

۞ آپ ﷺ کا فرمان ہےسنواوراطاعت کرواگرچہ تم پرایک حبشی غلام کوہی کیوں نہ امیر بنادیا جائے۔(بخاری،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،احمد،طبرانی)

یعنی عامل،شہرکا امیر،ملک کا امیر،یا نماز کا امام،خراج وصول کرنے کا امیر یا جنگ کا امیر بنادیا جائے۔خلفاء کے زمانے میں بعض لوگوں کے پاس تینوں عہدے بیک وقت ہوتے تھے۔(جنگ،امامت نماز اور خلافت عامہ)یا بعض عہدے کسی اور کے پاس کچھ کسی اور کے پاس ہوتے تھے۔ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ کسی حبشی غلام کوامیر بنالیا جائے جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔

(ابن ماجہ،حاکم،بیهقی)

یحیٰی بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے)اگرچہ تم پرحبشی غلام امیر بنادیا جائے جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کررہاہو۔(احمد،ابوعوانہ،طبرانی)

ایک روایت میں لفظ ہےاگرچہ اس کا سرکشمش کی طرح ہوعلماء کہتے ہیں اس کا معنی ہے سرچھوٹا ہو

جیسا کہ عام طور پر حبشیوں میں ہوتا ہے بعض نے کہا کہ کالے رنگ کی وجہ سے کہا ہے کسی نے کہا کہ چھوٹے اور گھنگریالے بالوں کی وجہ سے کہا ہے۔اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ظالم بادشاہوں کے خلاف بھی بغاوت نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اس میں ان کی برائیوں کی بنسبت زیادہ بڑا نقصان ہے۔(فتح الباری:۱۳/۱۲۲)

۞ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے میں تمہیں تین چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور تین سے منع کرتا ہوں حکم یہ کرتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو تفرقہ میں مبتلا نہ ہو، سنو اور اطاعت کرو اللہ جس کو تمہارے امور کا ذمہ دار بنائے۔(ابن حبان)

۞ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا اوران پر ایک انصاری کو امیر بنایا انہیں اس کی اطاعت کا حکم دیا۔اس امیر کو (کسی وجہ سے) غصہ آیا اس نے کہا کیا نبی ﷺ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ امیر نے کہا لکڑیاں جمع کرو اور اس میں آگ لگاؤ انہوں نے ایسا کرلیا۔امیر نے کہا آگ میں کود جاؤ۔ان لوگوں نے ارادہ کرلیا مگر پھر ایک دوسرے کو روکنے لگے یہ کہہ کر نبی ﷺ کے پاس ہمارے آنے اور ایمان لانے کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ ہم آگ سے محفوظ ہوجائیں وہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ آگ بجھ گئی امیر کا غصہ بھی رفع ہوگیا تھا۔یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ لوگ آگ میں کود جاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے اطاعت صرف معروف میں ہے۔

(بخاری،مسلم،احمد،ابوعوانہ،ابویعلیٰ،بھیقی،ابن ابی شیبہ)

۞ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر سننا اور

اطاعت کرنا ہے چاہے پسند کرے یا نہ کرے جب تک کہ معصیت کا حکم اسے نہ دیا جائے۔اگر معصیت کا حکم دیا گیا تو نہ سننا ہے نہ اطاعت ہے۔

۞ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: تم پر تنگی،آسانی،خوشی اور ناخوشی اور تم پر ترجیح دینے کے باوجود سننا اور اطاعت کرنا ہے۔(مسلم،نسائی،ترمذی،احمد)

۞ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان پر پسند و ناپسند میں اطاعت ہے جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت ہے۔

(بخاری،مسلم،نسائی،ترمذی)

۞ جنادہ بن ابی امیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہاں ان کی عیادت کرنے گئے ہم نے کہا اللہ آپ کو صحت دے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائیں انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور ہم سے بیعت لی سننے اور اطاعت کرنے پر خوشی و ناخوشی میں تنگی و آسانی میں اور ہم پر ترجیح کے باوجود اور یہ کہ ہم حکمرانوں سے تنازعہ نہ کریں الا یہ کہ ظاہر کفر دیکھ لیں جس کی اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔(بخاری،مسلم،احمد،ابن حبان)

ایک روایت میں ہے اور یہ کہ ہم حق کا ساتھ دیں جہاں بھی ہوں اس بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔خوشی و ناخوشی کا مطلب ہے کہ ہر حال میں اللہ کے حکم کی پیروی کرنی ہے۔ابن التین کہتے ہیں ں: اس کا مطلب ہے کہ (جنگ کے لیے) نکلنے میں سستی ہو یا مشقت ہو۔طیبی کہتے ہیں: ہم نے اس بات پر عہد کیا کہ آسانی و تنگی، تکلیف و خوشی ہر حال میں، لفظ بایعنا مفاعلہ کا صیغہ ہے جس میں ایک تو مبالغہ ہے دوسرا یہ کہ قیامت میں ان کو ان امور کے بدلے میں شفاعت اور اجر ملے گا۔مسند احمد میں لفظ ہے اگر چہ تم خود کو زیادہ مستحق سمجھتے ہو۔ابن حبان میں ہے اگر چہ

یہ حکمران تمہارے مال کھائیں اورتمہاری پیٹھ پر کوڑے ماریں۔ یہ کہ ہم حق کا ساتھ دیں جہاں بھی ہوں اس میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کریں یعنی کسی بات کا خوف نہ کریں اس میں اس بات کی ترغیب یا حکم ہے کہ منکر کوختم کرنا ہے اگر صرف ملامت کا اندیشہ ہواوراس کے علاوہ کسی تکلیف کا نہ ہوتو ہاتھ سے ختم کرے ورنہ زبان سے ورنہ دل سے،کفار سے جہاد ہرصورت میں جاری رہنا چاہیے جب تک اللہ کا دین غالب نہ آجائے،اللہ کی راہ میں جہاد کروجیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح اس شخص کے خلاف جہاد کرنا چاہیے جوحق سے عناد رکھتا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی تو اس کو چاہیے کہ صبر کرے اس لیے کہ اگر جماعت سے ایک بالشت برابر بھی علیحدہ ہوااور مر گیا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔(بخاری،مسلم)

❁ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت میں اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور جو (اس حال میں)مرگیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔(مسلم،بیہقی،طبرانی)

عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں :میں مسجد میں داخل ہوا تو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے لوگ ان کے پاس جمع تھے میں بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا انہوں نے بتایا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ایک جگہ ہم نے پڑاؤ ڈالا تو کوئی تیر صحیح کرنے لگا کوئی نیزے۔ کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسی آواز دینے والے نے آواز دی کہ جمع ہوجاؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے پہلے جوبھی نبی گزرا اس پر لازم تھا کہ جو بھلائی جانتا ہے وہ اپنی امت کو بتائے اور ہر وہ شر

جسے وہ جانتا ہے اس سے ان کو خبردار کرے اس امت کے اول لوگوں میں عافیت ہے اور آخر کے لوگ آزمائش میں ہوں گے اور ایسے کام کریں گے جو تمہیں ناپسند ہیں ایک کے بعد ایک فتنے آئیں گے مؤمن کہے گا یہ میری بربادی ہے پھر وہ فتنہ ختم ہوجائے گا تو مومن کہے گا یہ اچھا وقت ہے۔ جو شخص جہنم سے آزادی اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کو موت ایمان کی حالت میں آنی چاہیے اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرے جو خود اپنے ساتھ ہونا پسند کرتا ہے جس نے امام کی بیعت کی اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا تو حسب استطاعت اس کی اطاعت کرے اگر دوسرا کوئی امام آکر اس سے لڑے یا حکومت چھیننے کی کوشش کرے تو اس کی گردن ماردو۔ میں ان کے قریب ہوگیا اور کہا کہ اللہ کی قسم کھا کر بتاؤ یہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ اس نے کہا میرے کانوں نے سنا ہے اور دل نے یاد رکھا ہے میں نے کہا یہ تمہارا چچازاد معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اپنا مال آپس میں باطل طریقے سے کھائیں ایک دوسرے کو قتل کریں جبکہ اللہ کا فرمان ہے کہ: ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ الا یہ کہ باہمی تجارت ہو اور ایک دوسرے کو قتل مت کرو اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ وہ خاموش رہے پھر کہا ان کی اطاعت کرو اللہ کی اطاعت میں اور اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت مت کرو۔(مسلم،نسائی،بیہقی)

❁ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے بہترین امام وہ ہیں جنہیں تم پسند کرو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں وہ تمہارے لیے اور تم ان کے لیے دعائیں کرو۔ تمہارے بدترین امام وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو وہ تمہیں ناپسند کریں تم ان پر لعنت کرو وہ تم پر لعنت کریں کسی نے پوچھا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ جب تک وہ نمازیں قائم کرتے رہیں اگر تم ان میں کوئی ناپسندیدہ

بات دیکھوتواس کےعمل سےنفرت کرومگراس کی اطاعت سے ہاتھ مت کھینچو۔(مسلم،نسائی)

یہ اس بات کی مشروعیت پر دلیل ہے کہ امام سے محبت کی جائے اس کے لیے دعا کی جاتی رہے۔ جوامام اپنے عوام کے لیے دعا کرتا ہے ان سے محبت کرتا ہے ان کی دعائیں لیتا ہے وہ بہترین امام ہے اور جو اپنے عوام سے اور عوام اس سے نفرت کریں ایک دوسرے کے لیے بددعائیں کریں یہ بدترین امام ہیں اس لیے کہ جو امام عدل قائم کرتا ہے وہ قابل تعریف ہے جوظلم کرتا ہے وہ عوام کی طرف سے مذمت اور گالیوں کا مستحق ہے بدترین امام ہے۔

دوسری ذمہ داری: اماموں کے (کاموں) پر صبر کرنا اگرچہ وہ عوام کے بعض حقوق روک لے۔

۞ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جو امیر کی کسی بات یا عمل کو ناپسند کرے تو اسے صبر کرنا چاہیے اس لیے کہ جو امیر کی اطاعت سے ایک بالشت برابر نکل گیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔(بخاری،مسلم،احمد)

۞ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد ایسے کام ہوں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔لوگوں نے پوچھا اللہ کے رسول اللہ اگر ہم میں سے کسی کو اس وقت سے واسطہ پڑ جائے تو آپ ہمیں کیا حکم کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر جو حق ہے وہ ادا کرو اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔(بخاری،مسلم،نسائی،ابن حبان،طبرانی)

ایسے حالات میں کہ حکمران عوام کے حقوق ادا نہ کرتے ہوں نبی ﷺ کا پھر بھی سمع واطاعت کا حکم شاید اس لیے ہو کہ دو نقصانوں میں سے کم نقصان کو اپنایا جائے۔اس لیے کہ حکومت کے خلاف بغاوت کرنا بڑا نقصان ہے کہ اس میں اختلاف وتفرقہ پیدا ہوتا ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

حدیث میں مذکور جس ترجیح دیئے جانے کا ذکر ہے اس سے مراد حقیقی ترجیح نہیں ہے۔یہاں نبی ﷺ نے اطاعت کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ بغاوت کے تمام ذرائع بند ہو جائیں اور امیر کی نافرمانی سے امت کو ضعف نہ پہنچے اور صرف خیالات یا بدظنی کی وجہ سے لوگ بغاوت نہ کریں جیسا کہ بخاری میں ہے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ نے فلاں وک سرکاری کام پر لگا دیا مجھے نہیں لگایا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم دیکھو گے کہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی تم صبر کرو یہاں تک کہ مجھ سے (قیامت میں) ملاقات کرلو۔ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس جواب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عہدے طلب نہیں کرنے چاہیے اور آپ ﷺ نے یہ جو کہا کہ میرے بعد ترجیح دی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تم پر ترجیح نہیں دی یہ کام میرے بعد ہوں گے میرے دور میں نہیں ہوں گے میں نے ترجیح نہیں دی بلکہ مسلمانوں کی مصلحت دیکھی ہے۔جبکہ دنیاوی مفادات حاصل کرنے والے میرے بعد آئیں گے اس وقت صبر کرنا۔(فتح الباری:۱۳/۸)

۞ علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اللہ کے رسول اللہ ﷺ یہ بتائیں کہ اگر ہم پر ایسے امیر مقرر ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمیں ہمارا حق نہ دیں ایسے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے منہ پھیر لیا۔اس نے پھر پوچھا دوسری پھر تیسری بار پوچھا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے اس کو کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سنو اور اطاعت کرو تم پر تمہاری اور ان پر ان کی ذمہ داری ہے۔(بخاری، مسلم، نسائی)

۞ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر ایسے امیر مقرر ہوں گے جن

کے کچھ کام تمہیں اچھے لگیں گے کچھ برے جس نے براسمجھا یا نفرت کی وہ بری ہوگیا جس نے اعتراض کیا وہ سلامت رہا لیکن جوراضی رہا اور تابعداری کرتا رہا۔لوگوں نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیا ہم ان سے قتال نہ کریں آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نمازیں پڑھتے رہیں۔(مسلم،ابوداؤد)

سمع واطاعت کی قیود

جن احادیث میں امیر کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے ان میں سمع واطاعت کے لیے دو قیود کا ذکر ہے۔

① امیر کی طرف سے معصیت اور مامور کی استطاعت:

امیر کی معصیت سے متعلق ہم نے دلائل دیئے ہیں کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا ہے پسند و ناپسند میں اگر معصیت کا حکم اسے دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنا ہے معصیت میں امیر کی اطاعت نہیں ہے مگر بغاوت وخروج بھی نہیں بلکہ صبر کرنا ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا ہے۔سابقہ احادیث میں تطبیق کا صحیح طریقہ یہ ہے۔جس نے امیر میں ناپسندیدہ بات دیکھی تو صبر کرنا چاہیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا نبی کی بیعت اس بات پر کہ حق بات کہو ملامت کا خوف مت کرو۔یہ اس وقت ہے جب کہ امیر سے کھلا کفر ظاہر نہ ہو۔اللہ کے فرمان کا بھی یہی مقصد ہے کہ اچھے کاموں پر تعاون کرو اور غلط اور گناہ کے کاموں پر تعاون مت کرو۔مامور کی استطاعت سے مراد ہے کہ امیر کی اطاعت اپنے استطاعت کے مطابق کرنی ہے۔تمام احکام شریعت کا مدار استطاعت پر ہے جس کام کی استطاعت انسان میں نہ ہو شریعت اس کی ادائیگی کا حکم نہیں

دیتی ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة:٢٨٦) اللہ طاقت کے مطابق ذمہ داری ڈالتا ہے۔اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (تغابن:١٦) اللہ سے ڈرو جتنی استطاعت ہو۔نبی ﷺ کا فرمان ہے: میں تمہیں جو حکم دوں اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو۔(بخاری،مسلم،احمد)

استطاعت کے ہونے اور نہ ہونے کا علم اللہ کو ہے اگر ایک شخص عدم استطاعت کا بہانہ کرتا ہے اور حقیقت میں ایسا نہیں ہے تو اللہ اس کا حساب کرے گا اور سزاء دے گا۔اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی سننے اطاعت کرنے پر جتنی استطاعت ہو۔(بخاری،ترمذی،نسائی)

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے پر کہ جتنی میری استطاعت ہو اور یہ کہا کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

(بخاری،مسلم، احمد)

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کرلی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ عبدالملک بن مروان امیر المومنین کے لیے سنۃ اللہ اور سنۃ رسول اللہ پر جہاں تک میری استطاعت ہوگی میرے بیٹے بھی یہ اقرار کرتے ہیں۔

(بخاری،بھیقی ادب المفرد)

جو امراء عوام کے حقوق نہیں دیتے اس کے باوجود نبی ﷺ کا ان کا ساتھ دینے اور بغاوت نہ کرنے کا حکم شاید اس لیے ہے کہ دو ضرروں میں سے کم کو اپنایا جائے کہ بغاوت سے مسلمانوں میں مزید افتراق واختلاف پیدا ہوگا جیسا کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے جس میں

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ترجیح دینے کا کام اور دنیاوی مفادات کے لیے عہدوں کی بندبانٹ میرے بعد ہوگی جب کہ میں جوعہدہ دیتا ہوں تو یہ مسلمانوں کی مجموعی مصلحت کے مدنظر دیتا ہوں یہ برا کام میرے بعد ہوگا اس وقت صبر کرنا۔(فتح الباری: ۸/۳۱)

سمع واطاعت کوواجب کرنے والے دلائل کا خلاصہ

اطاعت واجب ہے خوشی وناخوشی میں تنگی وآسانی میں بلکہ اصل اطاعت تو وہ ہے جو ناخوشی وتنگی میں کی جائے کہ نفس پرگراں گزرے مگر انسان کرتا رہے۔اس لیے کہ آسانی اور خوشی میں تو ہرکوئی اطاعت کرتا ہے مشکل وسختی میں اطاعت کرنے والے سچے ہوتے ہیں مومن ومنافق میں فیصلہ ہی اس طرح ہوسکتا ہے کہ منافق اکثر آسانی میں اطاعت کرتا ہے۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (التوبة:۴۲)

اگر دنیاوی مقصد ہوتا یا سفر کم ہوتا تو یہ لوگ آپ (ﷺ) کی اتباع کرتے لیکن دور کا سفر ان کے لیے مشکل ہوا اور یہ قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہماری استطاعت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تمہارے ساتھ یہ خود کو ہلاک کرتے ہیں اللہ جانتا ہے یہ جھوٹے ہیں۔

منافق لوگ آسانی میں اتباع کرتے ہیں (اور مشکل میں نہیں کرتے) پھر اطاعت سے نکلنے کے لیے بہانے تراشتے ہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (التوبة:۸۱)

رسول (ﷺ) سے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں اپنے مالوں اور جانوروں کے ساتھ فی سبیل اللہ جہاد کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں گرمی میں مت جاؤ ان سے کہہ دو جہنم کی گرمی زیادہ سخت ہے کاش کہ یہ سمجھتے۔

جو شخص آسانی میں اطاعت کرتا ہے اور مشکل وقت میں اطاعت ترک کردیتا ہے اس میں نفاق ہے۔

امراءِ فوج کی اطاعت کی چندمثالیں

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قضاعہ کی زکاۃ وصول کرنے کا عامل بنایا تھا اور ولید بن عقبہ بھی ان کے ساتھ تھے تو ان کو خط لکھا کہ تم بھی فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوجاؤ میں نے تمہیں اس کام پر لگایا تھا جس پر تمہیں نبی ﷺ نے مقرر کیا تھا مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس سے بہتر کام پر لگادوں جو تمہارے لیے دنیا وآخرت دونوں میں مفید ہو۔الّا یہ کہ اگر تمہیں وہی کام پسند ہو جو کررہے ہو؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور تیرانداز بھی ہیں اور تیروں کو جمع کرنے والے بھی آپ سخت اور بہتر تیر کا انتخاب کریں اور اسے چلائیں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی خط (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے لکھا اس نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔

(الاكتفاء:۳/۱۴۱، بداية والنهاية:۲/۷-۳)

جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کمانڈر کے عہدے سے معزول کردیا اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اس نے خالد رضی اللہ عنہ کی پگڑی لے لی اور اس کا مال

دوحصوں میں تقسیم کردیا یہاں تک کہ ایک جوتا لےلیا ایک چھوڑ دیا خالد کہہ رہے تھے امیر المومنین کی بات سنی اوراطاعت کرنی ہے۔(البداية والنهاية:٧/١٨-١٩)

سمع واطاعت حق ہے اگر چہ امیر بعض شرعی خطاؤں کا مرتکب ہو اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت میں کرنی ہے البتہ اس کی خطاؤں میں اس کی پیروی نہیں اس کو امر بالمعروف کرنا ہے برائیوں سے روکنا ہے مگر شرعی آداب میں رہ کر۔امیر کی شرعی خطائیں بغاوت کا جواز نہیں بنتیں اس لیے کہ ہر انسان خطا کار ہے ایسا کوئی نہیں جس نے کوئی غلطی نہ کی ہو اور ساری ہی نیکیاں کرتا ہو۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ اطاعت کے کاموں میں اطاعت کرنی ہے اور معصیت میں نہیں کرنی۔رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی بعض امراء سے اس طرح کی غلطیاں ہوئی تھیں جیسے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب اپنی فوج کو بنی جذیمہ کے قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا ان کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے بھی ایسا کیا جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے دومرتبہ کہا کہ اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے لاتعلق ہوں۔(بخاری،احمد،نسائی)

مگر اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں معزول نہیں کیا اور ہمیشہ انہیں جنگوں میں ذمہ داریاں دیتے رہے اور جنگ موتہ میں جب تین امیر شہید ہو گئے تھے تو امارت خالد کو ہی دی گئی تھی اطاعت واجب ہے اگر چہ امیر بعض لوگوں کے حقوق نہ دے یا کسی معاملے میں کسی کو کسی پر ترجیح دے،سمع واطاعت حق ہے اگر چہ امیر حسب نسب کے لحاظ سے کمتر ہو یا بدصورت ہو یا کم عمر ہو جب تک وہ امارت کو شرعی طریقے پر چلا رہا ہو اور اپنے امیر اعلیٰ کے تحت ہو اس کی اتباع میں ہو۔

امیر کی اطاعت کن امور میں کی جائے گی؟

امیر کی اطاعت اجتہادی امور میں کی جائے گی جیسے نماز قصر یا پوری جمع بین الصلاتین کرنی ہے

یا نہیں؟ اگر امیر فقہ میں دسترس نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ بہتر سے بہتر علماء سے رابطہ کرے

امیر کی اطاعت کی دلیل یہ آیت ہے:﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ (النساء:٥٩)﴾ ابن ابی العز رحمہ اللہ شرح عقیدہ الطحاویہ میں لکھتے ہیں:کتاب وسنت کے نصوص اوراجماع سلف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد ہے نماز کا امام،حاکم اورفوجی کمانڈر اور زکاۃ کا عامل،ان کی اطاعت اجتہاد کے مقامات پر کی جائے گی امیر کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اجتہاد کے مقامات پر لوگوں کی اتباع کرتے بلکہ لوگواں پر اس کی اطاعت لازمی ہے اپنی رائے کو اس کی رائے کے سامنے ترک کرنا ہے اس لیے کہ جماعت بندی اور باہم متفق ومتحد رہنے افتراق سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے۔(شرح العقيده الواسطيه:٤٢٢)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں ان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں بھی ایسا تھا پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں پڑھیں ابن عمر جب امام کے ساتھ ہوتے تو چار پڑھتے اور جب اکیلے ہوتے دو رکعت پڑھتے۔(بخاری،مسلم،نسائی)

بخاری مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں:عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ہمیں منیٰ میں چار رکعت پڑھائیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا تو انہوں نے''انا للہ'' پڑھی اور پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ،ابوبکر عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں کاش کہ چار رکعت قبول ہوں اور میرا اس میں حصہ ہو۔(بخاری،مسلم)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے''انا للہ'' پڑھی اس لیے کہ ان کے سامنے خلاف اولیٰ ہوا تھا۔ابوداؤد میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چار رکعت پڑھی تو کسی نے کہا آپ نے عثمان

رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور پھر خود چار رکعت پڑھ لیں؟ انہوں نے کہا اختلاف شر ہے۔ بیہقی کے الفاظ ہیں میں مخالفت پسند نہیں کرتا۔(فتح الباری:۲/٤٦٥)

یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کام میں عثمان رضی اللہ عنہ کی متابعت کی جو ان کے نزدیک افضل نہیں تھا مفضول تھا یعنی منیٰ میں نماز مکمل پڑھنا اور افضل یعنی قصر ترک کیا اختلاف کا راستہ بند کرنے کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ نماز مکمل پڑھنے کے لیے تاویل کرتے تھے۔امیر کی اطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ مباح کام ان کے حوالے کیے جائیں اور وہ کام جو قتال کے فنی معاملات سے متعلق ہوں تا کہ اختلافِ آراء سے بچا جا سکے۔اللہ کا فرمان ہے۔

وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:٨٣)

اگر یہ اس کو لوٹاتے رسول (ﷺ) اور اولی الامر کی طرف تو وہ لوگ جو استنباط کر سکتے ہیں وہ اس کو سمجھ جاتے۔

اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ ذات السلاسل میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے لوگوں کو آگ جلانے سے منع کیا تین مرتبہ۔لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کی کہ آپ ہماری بات آگے پہنچائیں۔انہوں نے بات کی مگر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے آپ کو بھیجا ہے مگر میں منع کرتا ہوں اور اگر کسی نے آگ جلائی تو میں اس کو اس آگ میں ڈال دوں گا۔پھر دشمن کا سامنا ہوا اور انہوں نے دشمن کو شکست دی۔جب واپس آئے ،رسول اللہ ﷺ کو تفصیلات کے ساتھ یہ شکایت بھی کر دی (کہ امیر نے ہمیں آگ جلانے سے منع کیا تھا) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہم لوگ کم تھے میں ان کو دشمن کا

پیچھا کرنے سے منع کیا اور آگ جلانے سے اس لیے منع کیا کہ کہیں روشنی کی وجہ سے دشمن دیکھ نہ لے کہ یہ کم تعداد میں ہیں تو وہ دلیر ہو جائیں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل کی تعریف کی۔(بخاری،مسلم،ابو داؤد)

امیر کی اطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ امیر نے جس کام کی ذمہ داری دی ہے وہ اسے بجالاتا رہے اور امیر کی اجازت کے بغیر اپنا کام تبدیل نہ کرے نہ ہی بغیر اجازت کوئی دوسرا کام اپنائے اللہ کا فرمان ہے: مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر لوگوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے اور دشمن کے حال سے بھی اچھی طرح واقف ہوتا ہے اگر امیر کی اجازت کے بغیر کوئی فوجی کہیں جائے گا تو دشمن کے ہتھے چڑھ سکتا ہے یا فوجی قافلے سے بھٹک سکتا ہے۔

(المغنی لابن قدامه:٩/١٧٦)

جنگ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی جو شکست ہوئی تھی وہ کچھ تیراندازوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے ہوئی تھی جو امام (رسول اللہ ﷺ) کی اجازت کے بغیر چلے گئے تھے ،حالانکہ آپ ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں پھر بھی تم اپنی جگہ سے مت ہٹنا جب تک میں نہ کہوں۔اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے تب بھی تم اسی جگہ بیٹھے رہو جب تک میں نہ کہوں۔مگر جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن بھاگ گیا ہے اور اپنے مورچے چھوڑ چکا ہے تو یہ لوگ غنیمت کی طرف بھاگے دشمن نے یہ دیکھ کر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو وقتی شکست ہوئی اس لیے کہ امیر کی اطاعت کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

(احمد وغیرہ)

مسائل شرعیہ سے متعلق حاکم وامیر کا حکم؟

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب لوگ کسی آیت یا حدیث میں اختلاف کر بیٹھیں یا کسی تاریخی خبر میں اختلاف ہو جائے اور کسی بات کے صحیح یا غلط ہونے کی کوئی دلیل نہ ملے تو حاکم کا حکم نافذ العمل ہوگا امور معینہ میں عامہ میں نہیں۔ نزاعی مسائل میں سلطان پر لازم ہے کہ سب کو یا اس بات پر آمادہ کرے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے متفقہ مذہب سے ثابت ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ......﴾ اگر لوگ باہم اختلاف کریں تو ان کی بات کو سمجھے اگر وہ حق ہے تو لوگوں کو کتاب وسنت کی طرف دعوت دے اور اگر بدعت ظاہرہ ہو جسے لوگ جانتے ہوں کہ یہ شریعت کے خلاف ہے جیسے خوارج وروافض قدریہ وجہمیہ کی بدعت تو سلطان کو چاہیے کہ اس سے انکار کردے۔ اسی طرح اس بات سے بھی انکار کردے جو ترکِ نماز اور شراب وفواحش کو حلال قرار دے اس کے باوجود بھی بعض مقامات اور اوقات میں کچھ جہلا ایسے ہوتے ہیں کہ باتیں کتاب وسنت کو جاننے والوں کی طرح ہوتی ہیں اس لیے ان لوگوں کے امراء بھی مخمصے میں پڑ جاتے ہیں تو ایسے میں اللہ کی طرف سے نازل کردہ حجت اور اس کی وضاحت کی ضرورت پڑتی ہے البتہ امام کے لیے جائز نہیں کہ متنازعہ باتوں میں کتاب وسنت کی دلیل کے بغیر کسی بات کو اپنائے اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ ایسے مسائل کسی حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وبغیر کسی دلیل کے ایک بات کو اپنائے اور ایک کو ترک کرے الا یہ کہ اس کے پاس دلیل ہو جس کی طرف وہ رجوع کرے۔ اس کی بات عہدے سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں یکساں ہو۔ بہترین امارت اور عہدہ وہ ہے جو حق اور علم پھیلانے کا ذریعہ ہو کہ بغیر اس عہدے کے یہ علم اور حق پھیلانے سے عاجز تھا۔ (مجموع الفتاوی:۳/۲۳۹-۲۴۰)

تیسری ذمہ داری: امام کے لیے دعا کرنا اس کی عزت اور احترام کرنا شرعی آداب کے مطابق اس کی خیر خواہی کرنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار وامیر بنے اور وہ میری امت پر شفقت کرے تو بھی اس پر رحم کر اور جو امیر میری امت پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔ (مسلم)

فضیل بن عیاض اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ وغیرہ کہتے تھے: اگر ہماری دعا قبول ہوتی تو ہم بھی سلطان کے لیے دعا کرتے۔ عبداللہ بن احمد رحمہما اللہ کہتے ہیں: ابوبکر المروزی رحمہ اللہ نے کہا ہے: میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلیفہ متوکل کے بارے میں کہا کہ میں اس کی عافیت وخیر کی دعا کرتا ہوں اگر ان کے ساتھ کچھ ہو گیا تو تم دیکھ لوگے کہ اسلام کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ فضیل رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام عادل کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ زیاد بن کسیب العدوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں ابن عامر کے منبر کے نیچے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا عامر خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے بارک کپڑے پہن رکھے تھے۔ ابو بلال نے کہا ہمارے امیر کو دیکھو فاسقوں والا لباس پہن رکھا ہے۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا خاموش رہو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے جس نے سلطان کی عزت کی اللہ اس کو عزت دے گا جس نے سلطان کی توہین کی اللہ اس کی توہین کرے گا۔ (ترمذی، ابن خزیمہ، طبرانی)

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کے سلطان کی عزت کی اللہ قیامت میں اس کی عزت کرے گا۔ (احمد، ترمذی)

ابوموسیٰ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عزت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مومن، قرآن

کے عالم اور عادل بادشاہ کی عزت کی جائے۔(ابو داؤد، بیهقی)

سہل بن عبداللہ تستری ؒ کہتے ہیں: لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک علماء اور بادشاہ کی عزت کرتے رہیں گے جب ان دونوں کی عزت کرتے رہیں گے تو اللہ ان کی دنیا اور دین کی اصلاح کرتا رہے گا جب ان دونوں کی عزت نہیں کریں گے اللہ ان کا دین و دنیا خراب کردے گا۔(تفسیر قرطبی: ۵/ ۳۶۲)

ام سلمہ ؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: تم پر ایسے امیر مقرر ہوجائیں گے جنہیں جانو گے کسی کو نہ جانو گے جس نے نفرت کی وہ بری ہوا جس نے انکار کیا وہ سالم رہا اور جو راضی ہوا اور تابعداری کی۔ پوچھا گیا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔(مسلم)

یعنی جس نے دل سے برا جانا اور انکار کیا۔ اسی لیے ابن حزم ؒ فرماتے ہیں: امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے۔ اورتم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ مگر اس کی کیفیت میں اختلاف ہے قدیم اہلسنت صحابہ سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، ابن عمر، محمد بن مسلمہ ؓ اور ان کے بعد احمد بن حنبل ؒ وغیرہ کہتے ہیں: فرض دلی طور پر صرف، زبان سے تب ہے اگر استطاعت ہو جبکہ ابوبکر بن کیسان اور روافض کہتے ہیں تلوار سے ہے اگرچہ سب مارے جائیں البتہ یہ اب تک ہوا نہیں جب تک کہ طاقتور نہ آجائے جب نکل آئے گا تو پھر تلواریں نکالی جائیں گی ورنہ نہیں۔ اس بارے میں اہلسنت نے عثمان ودیگر مذکورۃ الصدر صحابہ ؓ کی پیروی کی ہے البتہ اس قول کے قائلین اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ اس وقت تک ہے جب عادل نہ ہو اگر امام عادل

ہو اور فاسق اس کے خلاف کھڑا ہوجائے تو پھر تلواریں امام عادل کی حمایت میں نکالنی ہوں گی۔

ابن عمر ؓ نے سوال کرنے والے کو کہا تھا میں نہیں جانتا کہ کون سا گروہ باغی ہے اگر معلوم ہوتا تو مجھ سے پہلے کوئی بھی ان سے لڑنے کے لیے نہ گیا ہوتا۔ اہلسنت کا ایک گروہ معتزلہ اور تمام خوارج اور زیدیہ کہتے ہیں: کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے تلواریں نکالنا واجب ہے جب اس کے بغیر یہ کام نہ ہوسکتا ہو۔ جب اہل حق کو اپنی کامیابی کا یقین ہو تو تلواریں نکالنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر تعداد میں کم اور کمزور ہوں اور ہاتھوں سے برائی روک نہ سکتے ہوں تو تب (نہ نکالیں) یہ علی اور ان کے ساتھی صحابہ ؓ کا قول ہے اور ام المومنین عائشہ، طلحہ اور زبیر اور ساتھیوں کا قول ہے اور معاویہ، عمرو، نعمان بن بشیر اور ان کے ساتھی صحابہ ؓ کا قول بھی ہے۔ عبداللہ بن زبیر، محمد، حسن بن علی ودیگر مہاجر وانصار صحابہ ؓ کا قول ہے جو یوم الحرہ قائم رہے تھے۔ ان صحابہ کا بھی قول ہے جو حجاج کے مقابلہ پر تھے جیسے انس بن مالک اور دیگر جن صحابہ ؓ کا ہم نے ذکر کیا اور تابعین جیسے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سعید بن جبیر، ابن البختری الطائی، عطاء السلمی الازدی، حسن بصری، مالک بن دینار، مسلم بن بشار، ابوالھوراء، شعبی، عبداللہ بن غالب، عقبہ بن عبدالغافر، عقبہ بن صھبان، ماھان، مطرف بن المغیرہ بن شعبہ، ابی المعد، حنظلہ بن عبداللہ، ابی سح الھنائی، طلق بن حبیب، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر، نصر بن انس، عطاء بن السائب، ابراہیم بن یزید التیمی، ابوالحوساء، جبلہ بن زحر وغیرہ ؒ، ان کے بعد تابعین میں سے جیسے: عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمر، محمد بن عجلان، اور محمد بن عبداللہ بن الحسن اور ہاشم بن بشیر، مطر کے ساتھی اور ابراہیم بن عبداللہ کے ساتھی، فقہاء میں سے یہی قول ابوحنیفہ، حسن بن حیی، شریک، مالک، شافعی، داؤد وغیرہ ؒ، ہم نے قدیم وجدید

افراد کی رائے نقل کی ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے منکر کے خلاف فتوے دیئے اور کچھ ایسے ہیں جو باقاعدہ تلواریں لیکر منکر کے خلاف نکلے تھے۔ابومحمد کہتے ہیں: مذکورہ گروہ نے پہلے احادیث سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم ان سے جنگ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نمازیں پڑھتے رہیں۔یا یہ کہ جب تک تم ظاہر اور صریح کفر نہ دیکھ لو، یا وہ حدیثیں جن میں صبر کو واجب کیا گیا ہے یا وہ کہ جس میں کہا گیا ہے مقتول بن جاؤ قاتل نہ بنو۔(طبرانی)

اللہ کا فرمان ہے کہ آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ انہیں سنا دو جب دونوں نے قربانی کی ایک کی قبول ہوئی دوسرے کی نہیں ہوئی۔ابو رحمہ اللہ محمد کہتے ہیں: ان سب دلائل میں ان کے کام کی کوئی چیز نہیں ہے ہم نے ان میں سے ایک ایک حدیث کی اچھی طرح تحقیق کی ہے اور اپنی کتاب ((الاتصال الی فهم معرفة الخصال)) میں اسے لکھا ہے یہاں اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

صبر کرنے اور پیٹھ پر مار کھانے کا جو حکم ہے یہ تب ہے جب امام برحق ہو یعنی امام بننے کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو ایسے امام کے دور میں صبر کرنا واجب ہے اور اگر ایک شخص صبر نہیں کرے گا تو وہ فاسق اور اللہ کا نافرمان ہے۔اور اگر امام برحق نہ ہو بلکہ باطل ہو تو رسول اللہ ﷺ ایسے امام کے لیے صبر کا حکم نہیں دے سکتے اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے۔نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو۔ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام اللہ کے کلام کے خلاف نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے اور (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی گئی ہے۔دوسری جگہ فرمان ہے: اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔ثابت ہوا کہ جو کچھ اللہ کے رسول

اللہ ﷺ کہتے ہیں: وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ وحی ہے لہٰذا اس میں تعارض وتناقض نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ کسی بھی شخص کا مال ناحق طور پر لینا یا کسی کو ناحق مارنا پیٹنا گناہ اور زیادتی ہے حرام ہے۔رسول ﷺ نے فرمایا ہے: تمہارا خون، مال اور عزتیں تم پر حرام ہیں۔

(بخاری،مسلم،ابوداؤد،ترمذی،احمد)

جب اس میں اختلاف اور شک نہیں کہ کسی مسلمان کا مال ناحق لینا اور اس کو مارنا پیٹنا ظلم ہے اور وہ اس ظلم کو روکنے پر قادر ہو تو کسی بھی ممکن طریقے سے اس ظلم اور گناہ میں تعاون کرنا یہ قرآن کی رو سے حرام ہے۔اس کے علاوہ دیگر احادیث اور ابنی آدم کا قصہ بھی دلیل نہیں بن سکتا اس لیے کہ قصہ ابنی آدم الگ شریعت تھی ہماری نہیں تھی اللہ کا فرمان ہے: تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت اور طریقہ بنایا ہے۔ ❶

جبکہ صحیح احادیث میں ہے کہ جو تم میں سے منکر دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے ورنہ دل سے اور یہ کمزور ایمان ہے اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے: معصیت میں اطاعت نہیں ہے اطاعت میں اطاعت ہے۔فرمان ہے: جو اپنے مال، دین اور عزت کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے۔(احمد،طبرانی)

فرمان ہے: تم ضرور معروف کا حکم کروگے منکر سے روکوگے ورنہ سب پر اللہ کا عذاب آئے گا بظاہر

❶ شریعت سے مراد ہے ہم سے پہلے والے قوموں کے لیے نازل شدہ احکام علماء کا اتفاق ہے کہ سابقہ شریعتوں کے وہ احکام ہمارے لیے شریعت اور قابل عمل ہوں گے جب ہماری شریعت میں اسے واجب قرار دیا گیا ہو یا اسے برقرار رکھا ہو یا اسے صحیح کہا ہو اس پر بھی اتفاق ہے کہ ہم سے پہلے والی وہ شریعتیں ہمارے لیے شریعت نہیں ہیں جو ہماری شریعت کے مخالف ہو اختلاف علماء کا اس بارے میں ہے کہ سابقہ شریعت کی کسی بات کی نہ ہماری شریعت میں تائید ہے نہ تکذیب اس بارے میں راجح قول یہ ہے کہ ہماری شریعتوں میں اگر اسے غیر معتبر نہ کہا گیا ہو تو ہو معتبر ہے۔

(المستصفی للغزالی:۱۳۲)

احادیث (صبر اورامر بالمعروف وغیرہ) باہم معارض ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان میں سے کچھ ناسخ اور کچھ منسوخ ہیں یعنی ایک حکم ناسخ دوسرا منسوخ ہے۔ ناسخ کون سا ہے منسوخ کون سا تو معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں قتال کی نفی ہے وہ منسوخ ہیں اس لیے کہ یہ حکم شروع اسلام میں تھا اوران کو ماننے سے شریعت میں اضافہ لازم آتا ہے کہ شریعت میں قتال کا حکم ہے۔ لہٰذا منسوخ کو لینا اور ناسخ کو ترک کرنا۔ شک کو لینا اور یقین کو چھوڑ دینا محال ہے۔ اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ یہ احادیث یا حکم منسوخ ہو گیا تھا مگر اب پھر ناسخ بن گیا تو یہ دعوی باطل ہے یہ کوئی بے علم ہی کر سکتا ہے اللہ پر لاعلمی میں بات کی ہے جو جائز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ اس کو بغیر دلیل و برہان کے نہ چھوڑتا اس لیے کہ قرآن تبیان لکل شیئ ہے۔ دوسری دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: اگر مومنوں میں سے دو گروہ باہم قتال کریں تو تم ان میں صلح کر دیا کرو اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس کے ساتھ قتال کرو جب تک وہ باز نہ آئے۔ کسی مسلمان نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا ہے کہ فرقہ باغیہ سے قتال کا حکم دینے والی یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے یہ آیت مذکورہ احادیث کا فیصلہ کر رہی ہے جو حدیثیں اس آیت کے موافق ہیں وہ ناسخ اور جو مخالف ہیں وہ منسوخ ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت اوراس کے موافق مذکورہ احادیث چوروں کے بارے میں سلطان کے بارے میں نہیں ہیں۔ یہ باب بھی غلط اور باطل ہے اس لیے کہ بغیر دلیل کے کہی گئی ہے یہ دعوی کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احادیث ایک گروہ کے بارے میں ہیں دوسرے کے بارے میں نہیں ہیں یا ایک دوسرے کے لیے ہیں دوسرے کے لیے نہیں ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ایک آدمی مجھ سے ناحق میرا مال مانگ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے نہ دو۔ اس نے کہا اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: تم بھی اس سے لڑو۔ اس نے کہا اگر وہ میرے ہاتھوں مارا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا۔ اس نے کہا اگر میں مارا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں جاؤ گے۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، الفاظ کچھ اور ہیں)

ایک اور حدیث میں ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس کا مال نہیں چھینتا اس پر ظلم نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے جس نے (زکاۃ) صحیح طریقے سے مانگی اسے دیدو اور جو صحیح طریقے سے نہ مانگے اسے نہ دو۔ (بخاری)

یہ حدیث صحیح ہے ثقات سے ثابت ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں یہ احادیث ان لوگوں کی اس تاویل کو باطل ثابت کرتی ہیں کہ یہ صرف چوروں سے متعلق ہیں اس لیے کہ چور زکاۃ نہیں مانگتے یہ سلطان کا کام ہے اس لیے فرمایا اگر غلط طریقے سے زکاۃ وصول کرے (ناحق وغیر شرعی) اگر اہل حق متفق ہو جائیں تو اہل باطل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل پیش کرتے ہیں تو اس میں محاصرہ ہے قتل کا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ قتال امام عادل کے جائز نہیں ہے اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کی مثال نہیں دی جاسکتی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خروج و بغاوت کریں گے تو خون خرابہ ہوگا۔ عزتیں پامال ہوں گی انتشار پھیل جائے گا۔ یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والا کبھی عزتیں پامال نہیں کرتا نہ ہی کسی کا مال ناحق لیتا ہے نہ اس شخص کو کچھ کہتا ہے جو اس کے ساتھ نہیں لڑتا اگر اس نے ایسا کچھ کیا تو اس کے خلاف بھی خروج و بغاوت اور حملہ ہوگا۔ اگر مراد یہ ہے منکرات کرنے والے یہ کام کریں گے تو اس لیے تو ان کے خلاف کارروائی کرنی ہے ان خرابیوں کو ہی تو تبدیل کرنا ہے۔ اگر یہ باتیں بغاوت کی راہ میں رکاوٹ ہیں تو پھر یہ باتیں جہاد

کی راہ میں بھی رکاوٹ ہوں گی؟ حالانکہ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں کہتا اگر یہی سوچ لیں کہ جہاد کریں گے تو نصاری مسلمان عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیں گے ان کا مال اوران کی جانیں تلف کردیں گے ان کی عزتیں پامال کرلیں گے۔اس کے باوجود مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جہاد واجب ہے۔ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں جہاد ہیں اور قرآن وسنت کی طرف دعوت ہے۔ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم اس حکمران کے بارے میں کیا کہوگے جس نے اپنے اختیارات نصاری کے حوالے کردیئے ہیں نصاری ہی اس کے ساتھی اور فوج ہیں اور مسلمانوں پر جزیہ لگادیا ہے مسلمان بچوں پر تلواریں نکال لی ہیں مسلم عورتوں سے زنا کو جائز کردیا ہے۔جو بھی مسلمان مرد،عورت اور بچہ انہیں نظر آتا ہے اس کو مارتے ہیں جبکہ یہ حکمران خاموش تماشائی ہے اس کے باوجود خود کو مسلمان کہتا ہے نماز پڑھتا ہے؟ اگر یہ کہتے ہیں کہ اس حکمران کے خلاف خروج پھر بھی جائز نہیں ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس طرح تو یہ تمام مسلمانوں کو ختم کردے گا اور اکیلا ہی رہ جائے گا اور اس کے ساتھی کافر رہ جائیں گے ؟اگر یہ لوگ اس صورت میں بھی صبر کو جائز کہتے ہیں تو یہ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اس سے خارج ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس حکمران کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے تو ہم کہیں گے کہ اگر نوے فی صد مسلمان مارے جاتے ہیں ان کی عورتیں پکڑ لی جاتی ہیں ان کا مال لوٹا جاتا ہے تو؟ اگر یہ خروج سے پھر بھی منع کرتے ہیں تو اپنی بات کی مخالفت کرتے ہیں اور اگر خروج کو واجب کرتے ہیں تو ہم ان سے مزید کم کے بارے میں سوال کریں گے یہاں تک کہ ہم ان سے پوچھیں گے کہ ایک مسلمان مارا جائے اور ایک مسلمان عورت پکڑ لی جائے یا ایک آدمی کا مال زبردستی لیا جائے تو؟ اگر یہ فرق کرتے ہیں تو ان کی بات میں تضاد ہے اور یہ بات ان کی بلا دلیل

ہے جو جائز نہیں اور اگر یہ خروج کو لازم قرار دیتے ہیں تو تب یہ حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ اگر ایک ظالم حکمران کسی شخص کی بیوی بیٹی اور بیٹے کو زبردستی اپنے قبضے میں لے کر ان سے غلط اور فسق کے کام کروانا چاہے تو کیا ایسے آدمی کو صرف اپنی جان بچانی چاہیے تو یہ ایسی بات ہے جو کوئی مسلمان نہیں کرسکتا اور اگر یہ کہتے ہیں کہ بیوی بچوں کو بچانے کے لیے لڑنا چاہیے تو یہ ہے حق اور صحیح بات اس طرح دیگر مسلمانوں کے مال وجان کے تحفظ کے لیے بھی حکمرانوں کے مقابلے پر آنا چاہیے۔ابو محمد کہتے ہیں: اگر معمولی سا بھی ظلم ہو تو امام سے اس بارے میں بات کرنا واجب ہے اور اسے روکنا چاہیے اگر وہ رک جاتا ہے اور حق کی طرف رجوع کرتا ہے اور زنا چوری وغیرہ کے حدود کے تیار ہوتا ہے تو اس کی اطاعت سے نکلنا نہیں چاہیے اور اگر ان واجبات کے نفاذ سے انکار کرتا ہے تو اس کو ہٹا کر کسی اور کو اس کی جگہ امام مقرر کرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور تعاون کرو نیکی اور تقوی پر اور گناہ وزیادتی پر تعاون مت کرو۔شریعت کے واجبات میں سے کسی کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

(الملل والاهواء والنحل لابن حزم: ٤/١٣٢-١٣٥)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب امام کا تقرر ہو جائے اور اس کے بعد وہ فسق کرے تو جمہور کہتے ہیں اس کی امامت فسخ ہو جائے گی اس کو ہٹا کر کسی اور کو امام بنایا جائے گا اگر اس نے فسق ظاہری اور معلوم کا ارتکاب کیا ہو۔اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام کا تقرر مقصد کے لیے ہوتا ہے حدود کا نفاذ اور حقوق کی ادائیگی وتحفظ یتامی کے مال کی حفاظت مجرموں پر نظر رکھنا وغیرہ مگر جب وہ خود فاسق ہوگا تو ان امور کی انجام دہی نہیں کرسکے گا۔اگر ہم فاسق کے لیے امام برقرار رکھنا جائز قرار دیدیں تو جس مقصد کے لیے امام بنایا جاتا ہے وہ مقصد باطل ہو جائے گا اسی لیے تو

ابتداء ہی فاسق کا امام کے لیے تقرر جائز نہیں ہے کہ مقصدِ امامت فوت ہوجاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں جب تک امام کفر نہ کرے اسے ہٹایا نہیں جائے گا یا نماز ترک نہ کرے یا اور کوئی شریعت کا کام ترک کردے جیسا عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: الّا یہ کہ تم امام میں واضح کفر دیکھ لو جس پر تمہارے پاس دلیل ہو۔ دوسری حدیث میں ہے جب تک نماز قائم کرتا رہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے تم پر امیر مقرر کیے جائیں گے جن کی کچھ باتیں تمہیں پسند ہوں گی کچھ ناپسند ہوں گی جس نے ناپسند کیا وہ بری ہوا جس نے انکار کیا وہ محفوظ رہا جس نے تابعداری کی اور راضی ہوا۔ لوگوں نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک کہ نماز قائم کرتے رہیں۔ دل سے ناپسند کرنا مراد ہے۔

(قرطبی: ۱/۲۸۶-۲۸۷)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا اس آیت کی تفسیر میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن خویز منداد رحمہ اللہ نے کہا ہے جو بھی ظالم ہوتا ہے وہ نہ نبی بنتا ہے نہ خلیفہ نہ حاکم نہ مفتی نہ نماز کے امام نہ اس کی روایت قبول کی جاتی ہے نہ احکام میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ جب تک اپنے فسق کی وجہ سے معزول نہ کردیا جائے اہل حل وعقد اس کو معزول کردیں۔

(قرطبی: ۲/۱۱۵-۱۱۶)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے اگر حاکم میں کفر یا شریعت کا تغیر یا بدعت جیسی خرابیاں ہوں تو وہ والی وحکمران بننے کا اہل نہیں رہے گا اس کی اطاعت ساقط ہوجائے گی مسلمانوں پر اس کو معزول کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنا واجب ہوجائے گا اس کی جگہ عادل امام کا تقرر کیا جائے اگر ممکن ہو اگر سب لوگ نہ کریں اور ایک گروہ ایسا کرے تو اس پر واجب

ہے کہ امیر کو معزول کرے مبتدع کے بارے میں واجب نہیں الّا یہ کہ طاقت کا یقین ہوجائے اگر عجز غالب ہو تو خروج واجب نہیں بلکہ مسلمان کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہوگا۔ کسی فاسق کو ابتداء امام مقرر ہی نہیں کرنا چاہیے اگر خلیفہ نے فسق شروع کردیا تو بعض لوگ کہتے ہیں اگر جنگ وفتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے معزول کیا جائے گا جبکہ جمہور اہلسنت محدثین وفقہاء اور متکلمین کہتے ہیں ظلم وفسق کرنے کی وجہ سے معزول نہیں ہوسکتا نہ معزول کیا جاسکتا ہے نہ اس کے خلاف بغاوت ہوسکتی ہے بلکہ احادیث کی روشنی میں اسے ڈرانا اور نصیحت کرنی چاہیے۔ قاضی کہتے ہیں: ابوبکر بن مجاہد نے اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے مگر اس پر بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ حسن اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور اہل مدینہ بنی امیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور تابعین کی ایک بڑی جماعت ابن الاشعث کی معیت میں حجاج کے خلاف کھڑی ہوئی تھی بکہ حدیث کہ ہم ان سے حکومت نہ چھینیں تو یہ حدیث ائمہ عدل کے بارے میں ہے جبکہ حجاج کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی جمہور کی دلیل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ صرف حجاج کے فسق کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ شریعت میں تغیر کی وجہ سے تھا جو ظاہری کفر تھا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں پہلے اختلاف پہلے تھا پھر اس کے بعد خروج کی ممانعت پر اجماع ہوا۔ (شرح مسلم للنووی: ۱۲/۴۶۸)

اشعری کہتے ہیں ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج بعض اہل سنت کا مذہب ہے جبکہ اہل سنت کی ایک جماعت اور خوارج، معتزلہ زیدیہ اور بہت سے مرجئہ کہتے ہیں کہ فاسق امام کے خلاف خروج اور قوت کا استعمال واجب ہے۔ (مقالات الاسلامیین: ۱۴۵)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن التین نے داؤدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ امراءِ ظلم کے بارے میں علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر بغیر فتنہ اور ظلم کے اس کو ہٹانا ممکن ہو تو ضروری اور واجب ہے ورنہ صبر

واجب ہے بعض نے کہا کہ فاسق کو حکومتی عہدہ دینا ہی جائز نہیں ہے اگر عہدہ حاصل کرنے کے بعد ظلم کیا تو اس کے ہٹانے میں اختلاف ہے صحیح بات یہ ہے کہ بغاوت منع ہے جب تک کہ اس سے واضح کفر صادر نہ ہو۔(فتح الباری:١٣/٨)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنی چاہیے جیسا کہ ابواسحاق الفزاری نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ کو اللہ کا ڈر نہیں ہے کہ میرے بھائی کو ابراہیم (ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن ہیں) کی معیت میں بغاوت پر اکسایا، آمادہ کیا؟ امام صاحب نے کہا کہ اگر وہ بدر میں مارا جاتا تو؟ اللہ کی قسم میرے نزدیک یہ بدر صغری ہے۔

(شذرات الذهب:١/٤٤،تاريخ بغداد:١٣/٣٨٤)

جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں :امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب مشہور ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف قتال کرنا چاہیے۔(احکام القرآن:١/٨٦)

ثابت ہوا کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت تابعین کے بعد بھی ایک مذہب کی شکل میں باقی رہا جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے احمد بن نصر الخزاعی شہید رحمہ اللہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ احمد بن نصر رحمہ اللہ عالم تھا، دیانتدار، عمل صالح کرنے والا، مجتہد تھا ان ائمہ سنت میں سے تھا جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے قرآن کو مخلوق کہنے والے واثق باللہ کے خلاف خروج کیا۔

غزالی فرماتے ہیں :ظالم حکمران کو اختیارات کے استعمال سے روک لینا چاہیے وہ معزول کیے جانے کے لائق ہے حکمران بنائے جانے کے نہیں۔(احیاء العلوم:٢/١١١)

ابوالوزیر رحمہ اللہ حسین کے خروج کے بارے میں کہتے ہیں :(فقہاء کے کلام میں)اس بات کی تحسین ہے جو حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے ساتھ اور جو ابن الاشعث نے حجاج کے ساتھ کیا جمہور فقہ

نے خروج کو مخصوص کر دیا ہے یزید و حجاج کی طرح کے حکمرانوں کے ساتھ کہ ان جیسا ظالم و جابر ہو تو خروج ہو سکتا ہے۔(الروض الباسم عن سنة ابی القاسم:٢/٣٤)

مزید فرماتے ہیں :ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج جو ممنوع ہے اس منع سے وہ حکمران مستثنیٰ ہے جس کا ظلم اور فساد بہت بڑھ گیا ہو جیسے یزید بن معاویہ اور حجاج بن یوسف ایسے حالات میں کوئی بھی اس طرح کے اشخاص کی امامت کا قائل نہیں۔ (ایضاً)

علماء کے سابقہ اقوال کے علاوہ ایک تیسرا قول بھی ہے جو قاضی عیاض ابن التین ،ابن حزم اور قرطبی رحمہم اللہ کے اقوال میں مذکور ہے اور دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر طاقت ہو تبدیلی کی اور خون خرابہ کا اندیشہ اور بڑے ضرر کا خطرہ نہ ہو تو فاسق فاجر حکمران کے خلاف خروج واجب ہے ورنہ نہیں (مزید تفصیل آگے آئے گی)۔

دوسرا قول: بہت سے علماء کہتے ہیں کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج اس لیے نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کا خون بہے گا حکمران انتقاماً ان کے مال و متاع برباد کر دیں گے۔امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں :ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج اور ان سے قتال باجماع المسلمین حرام ہے اگرچہ یہ حکمران ظالم و فاسق ہوں۔اس بات پر بہت سی احادیث دلالت و تائید کرنے والی موجود ہیں۔اہل سنت کا اجماع ہے کہ فسق کی وجہ سے حکمران کو معزول نہیں کیا جا سکتا فقہ کی کتب میں جو وجہ مذکور ہے اور جو معتزلہ سے بھی منقول ہے وہ غلط ہے اجماع کے خلاف ہے علماء کہتے ہیں کہ خروج و بغاوت اس لیے حرام ہے کہ اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوگا مسلمانوں کا خون بہے گا اس طرح حکمران کی موجودگی سے زیادہ بڑا فساد اس کی معزولی سے ہوگا۔(شرح مسلم:١٢/٢٦٩)

ہمارا خیال ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ کا نقل کردہ اجماع ان اقوال سے غلط ثابت ہوتا ہے جو بہت

سے علماء سے منقول ہیں کہ خروج کرنا واجب ہے ابن الوزیر ؒ نے لکھا ہے: کہ ابن حزم
ؒ نے ابوبکر بن مجاہد پر ردّ کیا ہے اس بات پر کہ اس نے ظالموں کے خلاف خروج کو حرام قرار
دیا ہے ابن حزم ؒ نے اس کو ردّ کیا ہے اور دلیل کے طور پر یزید کے خلاف حسین ؓ کے
خروج اور حجاج کے خلاف ابن الاشعث کے خروج کو دلیل بنایا ہے جبکہ ابن الاشعث کے ساتھ
کبار تابعین بھی تھے۔(الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم لابن الوزیر:۲/۳٤)

ایک حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے امیر تم پر مقرر ہوں گے جو تم پر
دوسروں کو ترجیح دیں گے۔اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: ترجیح
سے مراد ہے دنیاوی معاملات میں ترجیح۔اللہ سے اپنا حق مانگو کا مطلب ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ
انصاف ہو اور تمہیں اس سے بہتر ملے ایک آدمی نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیا ہم ایسے
اماموں سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ اپنے اور تم اپنے اعمال وفرائض کے ذمہ
دار ہو۔ایک حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کے بعد
آپ کی امت فتنے میں پڑ جائے گی۔میں نے کہا کیسے؟ کہا امراء وقراء کی وجہ سے کہ امراء لوگوں
کے حقوق نہیں دیں گے اور قراء ان امیروں (حکمرانوں) کی اتباع کریں گے۔میں نے کہا اس
فتنے سے محفوظ رہنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ کہا صبر کر کے۔اگر انہیں کچھ دیا جائے تو لے لیں اور نہ دیا
جائے تو چھوڑ دیں۔(فتح الباری کتاب الفتن:۱۳/٦)

جن احادیث میں آتا ہے کہ امیر کے غلط کام پر صبر کرے۔سلطان کے خلاف خروج نہ کرے
جماعت سے علیحدہ نہ ہو۔ان کے بارے میں ابن ابی جمرہ ؒ کہتے ہیں کہ: امیر کی بیعت نہ
چھوڑے اس لیے کہ ایسا کرنے سے ناحق کون بہنے کا خطرہ ہے۔جاہلیت کی موت مرنے کی

تشریح ابن حجر ؒ نے کی ہے کہ جاہلیت میں گمراہی کی موت ہوتی تھی اس طرح کی موت کہ ان
کا کوئی ایسا امام نہیں تھا جس کی اطاعت کی جاتی اس لیے کہ وہ اس چیز سے واقف ہی نہیں تھے اس
کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کافر کی موت مرے گا بلکہ نافرمان کی موت ہوگی ی ہ بھی ہوسکتا ہے کہ
ظاہری تشبیہ ہو۔صرف زجر ونفرت کے لیے ایسا کہا گیا ہو اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی
ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: جو جماعت سے علیحدہ ہوا گویا اس نے اسلام کا پٹہ گلے
سے اتار لیا۔(ترمذی،ابن حبان،ابن خزیمه)

ابن بطال ؒ کہتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بادشاہ اور حکمران کے خلاف خروج
جائز نہیں اگرچہ حکمران ظالم ہو۔فقہاء نے مسلط شدہ حکمران کی اطاعت اور اس کی معیت میں
جہاد کے وجوب پر اجماع کیا ہے اس کی اطاعت اس خروج سے بہتر ہے جس میں خون خرابا ہو ان
فقہاء کی دلیل یہی حدیث ہے الاّ یہ کہ حکمران صریح کفر کا ارتکاب کرے تو اس کی اطاعت نہیں
بلکہ بقدر استطاعت اس کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔(فتح الباری:۱۳/۷)

اس مذکورہ حدیث کی شرح میں ابن حجر ؒ کہتے ہیں کہ: حکمران کے صریح کفر کا مطلب یہ ہے
کہ کسی آیت یا حدیث سے اس کا کفر ہونا ثابت ہوتا ہو اور تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو اور اگر جب
تک ان کے فعل کی تاویل کی گنجائش ہو خروج کی اجازت نہیں ہے۔نووی ؒ کہتے ہیں: یہاں
کفر سے مراد معصیت ہے حدیث کا مطلب ہے کہ حکمرانوں سے ان کے معاملات میں تنازعہ
مت کرو ان پر اعتراض نہ کرو جب تک ان کو منکر میں مبتلا نہ دیکھ لو اگر ایسا ہو تو پھر حق بیان
کرو جہاں بھی ہو۔(شرح مسلم:۱۲/٤٦۹)

کسی نے کہا ہے کہ یہاں گناہ سے مراد معصیت اور کفر ہے امام سے صرف اس وقت تنازعہ کیا

جائے جب وہ صریح کفر میں مبتلا ہو۔جس روایت میں کفر کا ذکر ہے اس کو تب محمول کریں گے جب حکومت ہو اور حکمران سے صریح کفر سرزد نہ ہو اس وقت تک اس سے تنازعہ نہیں کریں گے۔ معصیت اس وقت مراد لیں گے جب حکومت نہ ہو اگر حکومت میں عیب نہیں تو معصیت پر تنازعہ کریں گے کہ اس پر اعتراض کیا جائے اور اس کو حق قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے یہ بھی تب ہے جب اس کی استطاعت ہو۔ ابن التین نے داؤدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء کی رائے ہے کہ اگر بغیر فتنہ اور ظلم کے اس کو ہٹایا جاسکتا ہو تو ہٹانا واجب ہے ورنہ صبر واجب ہے۔بعض نے کہا ہے کہ فاسق کو سرے سے عہدہ دینا جائز نہیں ہے اگر عادل کو امام بنایا مگر بعد میں وہ ظالم بن گیا تو اس کے خلاف خروج کرنے میں علماء کے مابین اختلاف ہے صحیح بات یہ ہے کہ جب تک وہ صریح کفر نہ کرے اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔

(فتح الباری:۱۳/۸)

ایک حدیث میں ہے کہ میری امت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں برباد ہوگی۔اس حدیث کی شرح میں ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمران کے خلاف خروج نہیں کرنا چاہیے اگر چہ وہ ظالم و جابر ہو اس لیے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان قریشیوں کے نام بھی معلوم تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے خروج و بغاوت سے گریز کیا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ امت کی ہلاکت ان کے ہاتھوں ہوگی اس کی وجہ یہ تھی کہ خروج و بغاوت میں زیادہ ہلاکت کا خطرہ تھا لہٰذا بڑے فساد کی بنسبت چھوٹے فساد کو برداشت کیا۔

(فتح الباری:۱۳/۱۱،شرح العقیدة الطحاویة:۱/۴۲۸-۴۳۰)

تیسرا قول: اگر طاقت ہو تو خروج جائز ہے جبکہ یہ بھی غالب گمان ہو کہ بغاوت و خروج میں اگر چہ کچھ مسلمانوں کا خون بہے گا مگر غلبہ عوام کو حاصل ہوگا اور ظالم حکمران کو ہٹا کر عادل حکمران کو

لایا جاسکے گا۔طاقت ہے یا نہیں اس کا فیصلہ علماء اور سرکردہ لوگ کریں گے۔اس مذہب کے دلائل پہلے بیان ہو چکے ہیں اور اسی قول کے مطابق ہی تمام دلائل میں تطبیق دی جاسکتی ہے اسی طریقے پر ہی علماء نے تطبیق دی ہے علماء کے اقوال پیش خدمت ہیں:

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:ابن التین نے داؤدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر ظالم حکمران کو بغیر ظلم و فتنہ کے ہٹایا جاسکتا ہو تو معزول کردینا واجب ہے ورنہ صبر کرنا واجب ہے۔(فتح الباری:۳/۸)

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کسی فاسق کو ابتداء حکمران نہیں بنانا چاہیے اور اگر بننے کے بعد فاسق بن گیا تو بعض علماء اس کے معزول کرنے میں اگر فتنہ و حرب نہ ہو تو معزول کرنا چاہیے۔(شرح مسلم:۱۲/۴۶۸)

ایجی رحمہ اللہ کہتے ہیں:کسی ضروری سبب کی وجہ سے امت امام کو معزول کرسکتی ہے اور اگر فتنے کا ڈر ہو تو کم ضرر کو اپنانا چاہیے۔(المواقف:۴۰۰)

ابن عابدین کہتے ہیں:اگر پہلے عادل تھا پھر ظالم بن گیا تو معزول کرنے کی اگر وجہ ہوئی تو کرنا چاہیے ورنہ نہیں بشرطیکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔(حاشیہ ابن عابدین:۱/۵۷۳)

امام الحرمین الجوینی رحمہ اللہ کہتے ہیں:جب آدمی مقتدا بن جائے لوگ اس کی اتباع کرتے ہوں اور وہ معروف کا پرچار کرتا ہو منکر سے منع کرتا ہو اور مسلمانوں کے تحفظ کا اہتمام کرتا ہو تو اس میں قدم بڑھاتا رہے اللہ اس کی مدد کرے گا۔(غیاث الامم للجوینی:۲۷۷)

کافر حکمران کے خلاف خروج

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حکمران یا تو کافر ہوتا ہے یا مسلمان۔یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مسلم عادل

حکمران کے ساتھ عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیے اور فسق ظاہر کی صورت میں یہ مسلم حکمران عدل سے
نکل جاتا ہے۔اب اس مسئلے میں یہ بیان کریں گے کہ جو حکمران اسلام سے خارج ہو جائے اس کا
کیا حکم ہے اس خروج کی کوئی بھی صورت ہو چاہے بغیر ما انزل اللہ فیصلہ کر کے ہو یا شریعت کو
تبدیل کرنے سے یا اللہ کا حکم کے متضاد قانون بنانے سے۔ایسے حکمران مسلمان نہیں لہٰذا ان کی
اطاعت واجب نہیں ہے بلکہ طاقت ہو تو ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ قابل
اطاعت اولی الامر سے مراد علماء وفقہاء ہیں وہ لوگ نہیں جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال۔معروف کو
منکر اور منکر کو معروف بناتے ہیں ان کا حکم کرتے ہیں اور لوگوں کو زبردستی کفر پر مجبور کرتے ہیں۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اولی الامر سے مراد فقہاء ہیں۔عبیداللہ بن احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ لوگ
کہ جو لوگوں کو اللہ کا دین سمجھاتے ہیں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فقہاء وعلماء مراد ہیں۔عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: فقہاء وعلماء مراد ہیں۔
رسول اللہ کی اطاعت سے کتاب وسنت کی پیروی مراد ہے۔میمون بن مہران رحمہ اللہ کہتے
ہیں: جب تک رسول اللہ ﷺ زندہ تھے تو ان کی اور اب سنت کی اطاعت ہے۔مجاہد رحمہ اللہ کہتے
ہیں: اہل علم وفقہ مراد ہیں۔اختلاف میں اولی الامر کے بجائے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا
جائے گا۔

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: اولی الامر سے مراد اہل
القرآن والعلم ہیں۔مالک اور ضحاک نے بھی یہی کہا ہے۔مقاتل کلبی اور میمون کہتے ہیں: مراد
ہے فوج کے سپہ سالار، سہل بن عبداللہ کہتے ہیں: لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک
بادشاہ اور علماء کی تعظیم کریں گے جب ایسا کریں گے تو ان کا دین ودنیا دونوں صحیح رہیں گی ورنہ بگڑ

جائیں گی۔(قرطبی:٥/٣٦٢)

ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کہتے ہیں: اولی الامر کی تفسیر میں اختلاف ہے۔جابر بن عبداللہ، ابن
عباس رضی اللہ عنہم، حسن، عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ: مراد فقہاء وعلماء ہیں۔ابن عباس، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما
کہتے ہیں: مراد فوجوں کے سپہ سالار ہیں۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب مراد ہوں اس لیے کہ فوج
کے سپہ سالار دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔علماء شریعت کی حفاظت کرتے ہیں اسی لیے اللہ نے
فرمایا ہے: کہ علماء سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں اولی الامر سے مراد
حکمران ہیں اس لیے کہ پہلے عدل کرنے کا ذکر ہوا ہے اور یہ وہی کر سکتا ہے جس کے پاس طاقت
واختیار ہو۔لہٰذا اس سے مراد قاضی وحکمران ہیں۔اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ان کی
اطاعت کا حکم دینے کا مطلب ہے کہ جب تک یہ حکمران عادل ہوں۔اولی الامر سے مراد حکمران
، فوجی سربراہ اور قاضی وعلماء سب ہو سکتے ہیں عدل کے حکم سے لازم نہیں آتا کہ صرف حکمران
ہوں۔اللہ ورسول ﷺ کی طرف تنازعات لیجانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر سے
مراد علماء ہیں ورنہ جس کو کتاب وسنت کا علم نہ ہو وہ کیسے ان سے رجوع کرے گا؟

(احکام القرآن:٣/١٧٧-١٧٨)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس سے مراد فقہاء ہیں۔مجاہد، عطاء، حسن،
ابو العالیہ رحمہم اللہ نے بھی علماء مراد لیا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ سب مراد ہیں۔(ابن کثیر:١/٧٨٤)
نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کی رائے ہے کہ یہاں اولی الامر سے مراد علماء ہیں جمہور سلف وخلف
مفسرین فقہاء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کسی نے کہا ہے علماء وامراء مراد ہیں۔

(شرح مسلم:١٢/٤٦٤/٤٦٥، ابن کثیر)

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ائمہ،سلاطین اور قاضی اور ہر وہ شخص مراد ہے جس کے پاس شرعی عہدہ ہو طاغوتی نہ ہو۔(فتح القدير: ١/ ٤٨١)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: طیبی نے کہا ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت مستقلاً ہے جبکہ امراء میں کچھ واجب الاطاعت ہوں گے کچھ نہیں ہوں گے اگر وہ حق پر عمل نہ کرتے ہوں تو ان کی اطاعت مت کرو اور اختلافی امور اللہ ورسول ﷺ کے حکم کے پاس لیجاؤ۔(فتح الباری: ١٣/ ١١٢)

سید قطب شہید رحمہ اللہ کہتے ہیں: اولی الامر سے مراد وہ مومن ہیں جن میں ایمان واسلام کی شرائط پائی جاتی ہوں آیت میں اللہ ورسول اللہ کی اطاعت سے مراد ہے اللہ کو حاکمیت میں اکیلا ماننا اور ابتداء لوگوں کے لیے تشریع کا حق اور اس سے اخذ کرنا جس کے بارے میں نص ہو اور جب آراء و عقول میں اختلاف ہوجائے تو منصوص علیہ کی طرف رجوع کرنا نص نے اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کو بنیاد اور اصل قرار دیا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کو ان کا تابع کیا ہے یہ بتانے کے لیے اولی الامر کی اطاعت اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کے ضمن میں ہوگی اور اس شرط کے ساتھ کہ وہ مومن مسلمان ہوں۔(الظلال: ٢/ ٦٩٠-٦٩١)

یہ دراصل نہی نہیں ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر راہ مت دو۔اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ مسلمان کافر کا غلام نہیں بن سکتا کسی بھی طرح۔(قرطبی: ٥/ ٤١٨۔ابن کثیر)

یہ تب مراد ہوگا جب آیت دنیا وآخرت دونوں کے لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ صرف آخرت کے لیے ہے۔علماء کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمانوں پر حکمران نہیں بن سکتا نہ کسی مسلمان عورت سے شادی کرسکتا ہے اسی لیے ابن المنذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کافر کسی بھی حال میں مسلمان کا والی وحکمران نہیں بن سکتا۔(احکام الذمہ لابن القیم: ٢/ ٤١٤)

آیت مذکورہ سے جو سب سے اہم بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ کافر مسلمان کے حکمران نہیں بن سکتے کہ وہی امر و نہی کرتے ہیں اور مخالفت پر سزائیں دیں۔جب شریعت نے مسلمان مرد وکافر عورت کی شادی ممنوع قرار دی ہے حالانکہ یہ ایک مسلمان عورت کی بات ہے تو تمام مسلمانوں کی یا ایک مسلم ملک کی حکومت کیسے کافر کے حوالے کی جاسکتی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے امیر کی اطاعت کی بیعت لی تھی مگر اس وقت کہ جب امیر واضح کفر کا مرتکب نہ ہوا گر ایسا ہوا تو ان کے خلاف خروج کرنا چاہیے ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔اس پر علماء کا اجماع ثابت ہے جنادہ بن امیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ان کے ہاں گئے انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہم سے بیعت لی کہ مشکل وآسان تنگی وخوشحالی ہر حال میں امیر کی بات سنی اور اطاعت کرنی ہے جب تک امیر واضح کفر کا مرتکب نہ ہو۔(متفق علیہ)

نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے ضمن میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کافر کو امام نہیں بنایا جاسکتا۔اور اگر امام بننے کے بعد کسی نے کفر کیا تو اسے بھی معزول کیا جائے گا اسی طرح نماز اور اس کے لیے اذان کو ترک کرلیا پھر بھی معزول ہوگا قاضی عیاض رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں اگر امام نے کفر کیا،شریعت کو تبدیل کیا یا بدعت کا مرتکب ہوا تو وہ امام نہ رہا اس کی اطاعت نہیں ہوگی مسلمانوں پر اس کے خلاف خروج واجب ہوگا اس کی جگہ عادل امام کا تقرر کرنا ہوگا اگر سب کے بجائے ایک گروہ ایسا کرسکتا ہو تو اس پر بھی واجب ہے۔(مسلم: ١٢/ ٢٢٩)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: فقہاء نے مسلط شدہ حکمران کی اطاعت اور اس کی معیت میں جہاد کے وجوب پر اجماع کیا ہے اور بغاوت کے بجائے اطاعت کو لازم قرار دیا ہے الا یہ کہ حکمران سے

صریح کفر سرزد ہوتب اس کی اطاعت نہیں بلکہ اس کے خلاف جدوجہد کی جائے۔

(فتح الباری:۱۳/۵،نیل الاوطار:۷/۱۹۸)

ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: کفر کی بناپر حکمران کو معزول کرنے پر اجماع ہے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کے خلاف کروج کرے اس میں ثواب ہوگا اگر سستی کرے گا تو گناہگار ہوگا جو عاجز ہواس پر ہجرت ہے۔(مجموع الفتاوی:۳/۴۲۲)

یہ تمام آیات،احادیث اورعلماء کے اقوال اس حکمران کے بارے میں شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہیں جو اللہ کے دین سے نکل گیا ہواس کی اطاعت نہیں کرنی بلکہ اس کے خلاف خروج واجب ہے اگر وہ خود عہدہ نہ چھوڑے تو اسے معزول کرنا چاہیے۔اب ہم اس شخص سے متعلق علماء کے اقوال پیش کریں گے جو اللہ کی شریعت کے بجائے لوگوں کے لیے کودقوانین بناتا ہو یا لوگوں میں اللہ کے حکم کے نفاذ میں رکاوٹ بنتا ہو۔ایسا شخص جو اس طرح کے احکام بناتا ہو جو اللہ کے دین میں نہیں ہیں اس کے بارے میں ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس عمل کی چار صورتوں میں سے ایک صورت ہوگی:

① لازمی فرض کو ساقط کرنا مثلاً نماز روزے یا حج یا زکاۃ میں سے کچھ ساقط کرنا یا قذف یا زنا میں سے کسی حد کو یا ان سب کو ساقط کرنا۔

② یا ان میں سے کسی ایک،چند یا سب میں اضافہ یا ایجاد کرنا۔

③ یا کسی حرام مثلاً خنزیر،شراب،مردار کو حلال قرار دینا۔

④ یا حلال کو مثلاً دنبے وغیرہ کا گوشت حرام قرار دینا ان میں سے کوئی بھی کام کرنے والا کافر مشرک یہود ونصاری کے حکم میں ہے۔ایسا کرنے والے سے توبہ کرائے بغیر قتال کرنا ہر مسلمان

پر فرض ہے اگر توبہ کر بھی لے تو قبول نہیں کرنا چاہیے اس کا مال بیت المال میں جمع کرانا چاہیے اس لیے کہ یہ دین تبدیل کرتا ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہے جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔(الاحکام:۶/۱۱۰،۲/۹،۶/۷۷،۹،۱۰۹،۱۱۷،بخاری مسلم)

ابن حزم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد کسی اور کو حلال حرام قرار دینے کا حق ہے جو نبی ﷺ کی زندگی میں نہیں تھا۔یا کسی حد کو لازمی قرار دے جو نبی ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی یا ایسا شرعی قانون بناتا ہے جو نبی ﷺ کی زندگی میں نہیں تھا تو وہ شخص کافر مشرک ہے اس کی جان و مال اس کا حکم مرتد کا ہے۔(مجموع الفتاوی:۲۸/۵۲۴)

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ نے آیت ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ کے دین سے نکل جاتے ہیں اور دیگر آراء،خواہشات اور اصطلاحات کو اپناتے ہیں جو انسانوں کے وضع کردہ ہوتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی سند نہیں ہوتی جس طرح اہل جاہلیت اپنے گمراہ کن نظریات اور اپنی آراء پر مبنی قوانین پر عمل کرتے تھے اور جس طرح تاتاری اپنی حکومت میں مختلف یہودی ونصرانی وغیرہ نظریات سے ماخوذ چنگیز خان کی مرتب کردہ مجموعہ قوانین الیاسق کو نافذ کرتے تھے وہ ان کے نزدیک شریعت اسلامی پر مقدم تھی جو بھی ایسا کرتا ہے وہ کافر ہے اس کے ساتھ قتال واجب ہے جب تک اللہ ورسول ﷺ کے حکم کی طرف نہ آجائے اور ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں اسی کے مطابق فیصلے نہ کرے۔(ابن کثیر:۲/۱۰۷)

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ کہتے ہیں:(نواقض اسلام میں سے)چوتھا ناقض ہے کتاب وسنت کو چھوڑ کر کسی اور طرف فیصلہ لیجانا۔ابن کثیر رحمہ اللہ کا ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ سے متعلق قول ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں اس کی مثال ہے اکثر لوگوں کا اپنے قبائلی رسوم ورواج کے مطابق فیصلے کرنا

جنہیں یہ لوگ کتاب وسنت پر مقدم کرتے ہیں ایسا جس نے بھی کیا وہ کافر ہے اس کے ساتھ قتال واجب ہے جب تک اللہ ورسول ﷺ کے حکم کی طرف نہ آجائے۔(مجموعة التوحيد:٢١٤)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ لوگ ایک ایک مسلمان ممالک پر حملے کررہے ہیں خودکو بظاہر مسلمان کہتے ہیں مگر اسلام کے اکثر احکام پر عمل نہیں کرتے ان کا کیا حکم ہے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جواب دیا ان لوگوں میں سے ہو یا کوئی اور ہو جو شرعی احکام متواترہ کاالتزام نہیں کرتے وہ کافر ہیں ان سے قتال واجب ہے جب تک اسلامی شرائع کو نہ تھام لیں۔اگر چہ یہ لوگ زبان سے شہادتین کا اقرار کرتے ہوں اور کچھ شرعی احکام کو اپناتے ہوں جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعین زکاۃ سے قتال کیا تھا۔اسی وجہ سے فقہاء نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کے مناظرہ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق کی بناپر حقوق اسلام کے قتال پر اتفاق کیا ہے کتاب وسنت پر عمل کرتے ہوئے۔خوارج کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ بدترین مخلوق ہوں گے اور تمہاری نمازیں اور روزے ان کے روزوں اور نمازوں کے سامنے تمہیں حقیر لگتے ہوں گے۔(بخاري،مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ شرائع کے التزام کے بغیر صرف اسلام کو اپنانا قتال کو ساقط نہیں کرتا۔جب تک دین ایک اللہ کے لیے نہ ہوجائے قتال واجب ہے جب غیر اللہ کا دین ہو قتال واجب ہوگا۔جو بھی گروہ نماز،روزہ،حج یا مال وجان کی حرمت یا زنا وشراب کی حرمت یا ذی محرم سے نکاح کی حرمت یا کفار سے جہاد کے التزام یا اہل کتاب پر جزیہ مقرر کرنے جیسے امور سے منع کرتا ہو وہ کافر منکر ہے۔ان سے روکنے والے گروہ سے قتال کیا جائے گا اگرچہ وہ ان کا اقرار کرتا ہو اس بات میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔(مجموع الفتاوى ٨٢/٥٠٢-٥٠٣)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: جو گروہ اسلام کے متواتر ظاہری شرائع سے نکل گیا ان سے قتال پر علماء کا اتفاق ہے اگرچہ یہ گروہ کلمہ کا اقرار کرتا ہو۔اگر یہ کلمہ کا اقرار کریں اور نمازوں سے منع کریں یا زکاۃ سے یا روزوں یا حج سے تو جب تک یہ اپنی روش کو ترک نہ کردیں ان سے قتال ہوگا یا یہ زنا جوا شراب وغیرہ کو حلال قرار دیں پھر ایسا ہوگا۔اسی طرح مال وجان اور عزتوں کے بارے میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرنے سے منع کریں یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے منع کریں جہاد سے روکیں یا بدعت کا ارتکاب سرعام کریں جو کتاب وسنت اور سلف کے خلاف ہو تو اللہ کے فرمان کے ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ﴾ پر عمل کرتے ہوئے ان سے اس وقت تک قتال ہوگا جب تک یہ ان تمام باتوں کو تسلیم نہ کرلیں اور ان کو منع کرنے سے رک نہ جائیں۔

(مجموع الفتاوى ٢٨/٥١٠-٥١١)

ان تمام گذشتہ نصوص ودلائل سے ثابت ہوا کہ کافر حکمران کی اطاعت سے نکلنا اور اس کے خلاف قتال کرنا جمہور مسلمانوں کا فریضہ ہے۔اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو طاقت حاصل کرنے اور تیاری کی کوشش ان پر لازم ہے یہ کسی بھی طرح ساقط نہیں ہوگا اللہ کا فرمان ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (الانفال:٦٠)

ان کے خلاف تیاری کرو طاقت اور گھوڑوں سے اس طرح تم اپنے اور اللہ کے دشمن کو ڈراؤ گے اور ان کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اسکا تمہیں پورا اجر دے گا تم پر ظلم نہیں ہوگا۔

اللہ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد کے لیے اسلحہ اور سواری وغیرہ ضروریات تیار کرو اس لیے کہ قتال کی تیاری قتال کی نیت کا ثبوت ہے جبکہ تیاری ترک کرنا منافقین کی صفات میں سے ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: اگر یہ (منافق) نکلنے کا ارادہ رکھتے تو پہلے سے اس کی تیاری کرتے لیکن اللہ کا ان کا نکلنا پسند نہیں تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے قتال وجہاد کو اہمیت نہیں دی اس لیے کہ اس کی تیاری بھی نہیں کی تھی اور عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھے رہے۔ یہاں قوت سے مراد ہر وہ طاقت ہے جو دشمن کے مقابلے کے لیے حاصل کی جائے اس میں مادی قوت سے پہلے ایمانی قوت کا حصول بھی شامل ہے اس لیے اللہ نے اس آیت کی ابتداء میں ایمان کی تصحیح اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا ذکر کیا ہے اور آپس میں اختلافات سے منع کیا ہے پھر اس کے بعد تیاری کا حکم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الحدید:۲۸)

ایمان والو اللہ سے ڈر جاؤ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ تمہیں رحمت دوگنی دے گا اور تمہیں نور عطا کرے گا تمہارے گناہ معاف کرے گا اللہ غفور رحیم ہے۔

فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳)

ایمان والو اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آئے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو تفرقہ مت کرو۔

دیگر آیات بھی اسی طرح کی ہیں۔ ایمان کی تصحیح اور تقوی کے ہتھیار سے مسلح ہونا فی سبیل اللہ قتال کرنے والوں کے لیے بہت اہم ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانفال:۴۵-۴۷)

جب (جنگ کے دوران) ای گروہ (کفار) سے تمہارا سامنا ہو تو ڈٹے رہو اللہ کو زیادہ یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو اور اللہ کی اور اس کے رسول اللہ کی اطاعت کرو باہم اختلاف مت کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے تمہارا رعب جاتا رہے گا اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے نکلے اور ریاء کے لیے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اللہ نے اپنے مجاہد بندوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن سے سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اللہ و رسول اللہ کی اطاعت کرو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اس آیت میں اس اسلحہ کا ذکر ہے جس سے مسلمان مجاہدین مسلح ہوتے ہیں اور دشمنوں کی اس کی استطاعت نہیں ہوتی اگر چہ مادی قوت ان کے پاس کتنی ہی ہو اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں اللہ جس کے ساتھ ہوتے ہو تو اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ فرماتا ہے: اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں رسوا کرے تو اس کے بعد کون تمہاری مدد کرے گا۔؟

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جنگ کے دوران صفیں سیدھی کررہے تھے اور ہر جھنڈے اور قبیلے کے پاس جا کر کہتے کہ اللہ کے بندوں اللہ سے مدد اور صبر کی دعا کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تم میں سے جو قتل ہو جائے شہید ہو کر جو زندہ رہا وہ صبر اور غنیمت کے ساتھ ہوگا لیکن خود کو قتال پر آمادہ رکھو تیر، نیزے اور تلواریں اور دوبدو جنگ کا سامنا ہوگا اللہ کے پاس جو کچھ دینے کے لیے ہے وہ اسی طرح حاصل ہوگا۔(الاکتفاء:۳/۲۰۱)

جنگ بدر میں نکلنے والوں کی حالت اللہ نے بتائی ہے کہ جب انہوں نے دشمن کے مقابلے میں اپنی قلت دیکھی تو اس قوت کی طرف متوجہ ہو گئے جس کی برابری کوئی قوت نہیں کرسکتی اس لیے کہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ پر توکل اور اس کی طرف صحیح توجہ کے بغیر طاقت حاصل نہیں ہو سکتی اللہ نے فرمایا:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ(الانفال:۹)

جب تم فریاد کررہے تھے اپنے رب سے اس نے فرمایا قبول کرلی (اور کہا) کہ میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار پے درپے آنے والے فرشتوں کے ذریعے۔

نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی جب مشرکوں کو دیکھا کہ اکڑتے اور دکھاوے کے لیے آرہے تھے مگر ان کی کثرت، قوت اور اسلحہ کے باوجود کوئی مسلمان پیچھے نہیں ہٹا۔ حالانکہ وہ لوگ اسلام کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے نکلے تھے۔ جب نبی ﷺ نے ان کی قوت و کثرت دیکھی تو آپ سمجھ گئے کہ مادی قوت سے ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا لہٰذا آپ ﷺ نے اس قوت کے سرچشمہ سے رجوع کرلیا جو کبھی کمزور نہیں ہوتی گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں کیں یہاں تک کہ فجر

طلوع ہوئی تو آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو فرشتوں سمیت نازل ہوتے دیکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنادی۔(الخصائص الکبری:۱/۳۳۰)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی لیے باب باندھا ہے کہ قتال سے قبل عمل صالح کا باب اور اس میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ تم اپنے اعمال کی وجہ سے قتال کرتے ہو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ مدد کے بڑے اسباب میں سے معرکہ سے قبل عمل صالح ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے یہی بات اشعار میں کہی ہے کہ اللہ گروہ قتال اعمال کی بنیاد پر کرتا ہے شجاعت کی نہیں۔ مسلمانوں نے کثرت کی وجہ سے علاقے فتح نہیں کیے ورنہ تو دشمن کی تعداد ان سے زیادہ تھی انہوں نے دلوں کو علم وایمان سے فتح کیا۔ قرآن نے بیان کیا ہے کہ ہم سے پہلے مومن بھی ایسے ہی تھے بنی اسرائیل نے جب اپنی کم تعداد اور دشمن کی قوت دیکھی تو کہا:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ

(البقرة:۲۵۰)

اے ہمارے پروردگا ہمیں صبر عطا فرما اور (میدان جنگ) ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافروں پر ہمیں فتح دے۔

اس دعا کا فوری نتیجہ سامنے آیا کہ:

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ(البقرة:۲۵۱)

پھر انہوں نے اللہ کی مدد سے (دشمنوں کو) شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اللہ نے اسے بادشاہت وحکمت دی اور جو سکھانا چاہا سکھا دیا۔

اللہ نے مادی قوت کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا کہ جس کا مجاہدین کی فتح میں کردار رہا ہو۔ بلکہ اصل چیز تھی توکل اور اللہ کی طرف سے سچی توجہ ودعا،آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کا سامنا کرنے سے پہلے اطاعت وتقوی کے اسلحہ سے مسلح ہونا ضروری ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:۷)

ایمان والو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (حج:۴۰)

اور بے شک ضرور اللہ اس شخص کی مدد ضروری کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا بے شک اللہ قوت والا غالب ہے۔

گویا مدد غلبہ کے لیے اللہ کے دین اور رسول اللہ کی مدد شرط ہے۔ ہمارے خیال میں اب مدد نہ آنے کی وجہ یہی ہے کہ اس عمل میں کوتاہی برتی جاتی ہے اس لیے کہ اللہ کا طریقہ رہا ہے معصیت شکست اور اطاعت فتح کا سبب بنی ہے۔ یہ اللہ کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے بھی تھا جبکہ نبی ﷺ ان میں موجود تھے جب غزوہ احد میں کچھ لوگوں نے مخالفت کی تو انہیں مشرکین کے تیروں کا سامنا کرنا پڑا حالانکہ شروع میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا اسی لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم اللہ دشمنوں سے اللہ کی اطاعت اور ان کی معصیت پر لڑتے رہو اگر معصیت میں تم ان کے برابر ہوگئے تو وہ تم پر غالب آجائیں گے یہ مت سمجھنا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور ماموں ہو اس لیے کہ اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ صرف اطاعت کا ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں کمزور اور خاندانی شرافت کے حامل سب برابر ہیں وہ سب اس کے بندے

ہیں صرف اعمال کی وجہ سے درجات میں فرق آتا ہے۔(الاکتفاء:۴/۱۵۸)

اگر ہم اسلامی حکومت کا قیام اور دشمن پر غلبہ چاہتے ہیں تو ہمیں مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اللہ کے حق میں بھی کمی نہیں کرنی چاہیے ہم تقوی اختیار کریں تو وہ ہر دعا سنے گا۔

طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ ورسول اللہ پر ایمان نہ لانے والے کفار دشمنوں اور تمہارے درمیان عہد ہو اور تم ان کی خیانت سے ڈرتے ہو تو اللہ ورسول ﷺ پر ایمان لانے والو قوت حاصل کرو جتنے بھی مادی اسباب میسر ہوں اس طرح تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو گے پھر طبری نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اللہ فرماتا ہے: ﴿ **وَ اَعِدُّوْا لَهُم** ...... ﴾ کہ قوت جمع کرو یاد رکھو قوت تیر اندازی ہے تین مرتبہ فرمایا۔(مسلم،ترمذی،ابوداؤد،ابن حبان،احمد،بیہقی)

اس آیت کے بارے میں عکرمہ سے روایت ہے کہ قوت سے مراد نر گھوڑے اور رباط الخیل سے مادہ گھوڑی مراد ہے۔ رجاء بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی مکہ میں ایک مجاہد سے ملا جس کے پاس گون تھے (پتھر مارنے کے لیے اون یا بالوں سے بنایا جاتا ہے) مجاہد نے کہا یہ ہے قوت مجاہد غزوہ کی تیاری کر رہا تھا۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: آیت میں مذکور قوت سے مراد ہے اسلحہ، دشمن کو ڈرانے کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے کہ دشمن کو شکست دو رسوا کروگے۔ ﴿ **و آخرین من دونهم** ...... ﴾ کے بارے میں ابن زید کہتے ہیں تم ان کو اس لیے نہیں جانتے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں غزوہ میں شریک ہیں "لا الٰہ الا اللہ" کے اقراری ہیں کسی نے کہا اس سے مراد جنات ہیں ۔ابوجعفر کہتے ہیں :اس آیت کے بارے میں بہتر بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ ایسی قوت تیار رکھو کہ دشمن سے مقابلہ کرسکو اور خود کو ان سے بچا سکو قوت کو

اللہ نے عام ذکر کیا ہے اس لیے اسے عام ہی رکھنا چاہیے اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے خاص کیا ہے اورالرمی کو قوت کہا ہے تو کہا جائے گا کہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ قوت کو خاص کر دیا ہو بلکہ الرمی قوت کی ہی ایک شکل اور حصہ ہے حدیث میں ہے کہ قوت رمی ہے یہ نہیں کہا کہ اور کچھ نہیں ہے قوت میں سے تلوار۔نیزہ۔ہاتھوں سے لڑنا یا جو بھی چیز جنگ میں معاون ہو(جو بھی اسلحہ جس دور میں استعمال ہوتا ہو اصل کام دشمن سے لڑنا ہے اس کے لیے قوت درکار ہے)۔(تفسیر طبری: ۳۲/۱۰)

اس آیت کے بارے میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ نے مومنوں کو دشمنوں سے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم دیا ہے اور اس سے پہلے تقوی کی تاکید کی ہے۔اللہ چاہتا تو صرف نبی ﷺ کے مٹی پھینکنے سے بھی انہیں شکست دے سکتا تھا مگر بعض لوگوں کو آزمانا مقصود تھا۔تیاری سے مراد ہے دشمن کے مقابلے کے لیے جو کچھ بھی ہو سکے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: قوت سے مراد اسلحہ ہے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوت تیر اندازی ہے تین مرتبہ کہا۔عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہیں بہت سی زمینیں فتح کرائے گا اور اللہ تمہارے لیے کافی ہو گا تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکے گا مگر تم اپنے تیروں سے غافل مت ہونا۔(مسلم،احمد،طبرانی)

فرمایا جس چیز سے بھی آدمی کھیلتا ہے وہ باطل ہے سوائے تیر،کمان یا گھوڑے سدھانے اس کے ساتھ کھیلنے کا یہ حق ہے۔(ترمذی ، ابو داؤد)

مطلب یہ ہے کہ جس چیز سے بھی آدمی کھیلتا ہے اور اس کا فائدہ نہیں ہے نہ دنیا میں نہ آخرت میں وہ باطل ہے اس کو ترک کرنا افضل ہے مذکورہ تینوں اشیاء کے ساتھ بھی کھیلا جاتا ہے مگر یہ مفید ہے

اس لیے کہ یہ قتال کے اسباب ہیں۔اسی لیے ان کو حق کہا ہے۔عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اللہ تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا ایک چیز بنانے سے اگر اس کے بنانے میں ثواب کی نیت ہے تیر بنانے والا پھینکنے والا اور اٹھا کر لانے والا۔

(ابو داؤد،ترمذی،نسائی)

من رباط الخیل کو حسن،عمرو بن دینار اور ابوحیوۃ نے ((من رُبُط الخیل)) پڑھا ہے۔ابن زید کہتے ہیں پانچ سے زیادہ کو رباط الخیل کہتے ہیں اس کی جمع ربط ہے اس کا معنی ہے دشمن کے مقابلے کے لیے تیار کرنا دشمن کے مقابلے کے لیے گھوڑوں کی تیاری کی بہت بڑی فضیلت ہے عروہ البارقی رحمہ اللہ کے پاس ستر گھوڑے جہاد کے لیے تیار تھے۔بہتر ہے کہ گھوڑیاں ہوں یہ عکرمہ اور کچھ دیگر لوگوں کی رائے ہے یہ صحیح بھی ہے اس لیے کہ جبریل کی گھوڑی بھی تھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے گھوڑے تین قسم کے ہیں ایک آدمی لیے اجر دوسرا پردہ تیسرا بوجھ یا گناہ۔

(بخاری،مسلم،نسائی،ترمذی)

اس میں نر و مادہ کی تخصیص نہیں ہے۔نبی ﷺ سے سوال ہوا کون سی سواری بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو قیمتی ہو اور جس سے خریدی جا رہی ہے ان کو سب سے زیادہ پسند یا عمدہ ہو۔(بخاری ،مسلم)

ابو وہب الحشمی صحابی رضی اللہ عنہ ہے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کے نام پر نام رکھا کرو اللہ کو سب سے زیادہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام پسند ہیں۔گھوڑے پالو ان کی خود مالش کرو ان کے گلے میں وتر مت ڈالو سرخ سیاہ اور پنج کلیاں گھوڑا لیا کرو جو سیاہ ہو اور چاروں پاؤں اور منہ سفید ہو۔(ابو داؤد)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بہترین گھوڑا بہت سیاہ ہے جو پنج سالہ ہو۔پھر سیاہ جس کی ناک پر

سفید دھبہ ہو۔اگر سیاہ نہ ہوتو سرخ وسیاہ رنگ کا ہو۔(ابو داؤد،احمد،ابن ماجہ)

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیسا گھوڑا خریدوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کالا سیاہ جس کی ناک پر سفید دھبہ ہو یا سرخ وسیاہ یا جس کا دایاں پاؤں سفید ہو۔آپ کو وہ گھوڑا ناپسند تھا جس کے بائیں ٹانگ میں نشان ہو۔(مسلم،ابو داؤد)

اگر کوئی سوال کرے کہ جب قرآن میں من قوۃ عام ہے تو الرمی اور الخیل کہہ کر اس کو خاص کرنے کی کیا ضرورت ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ گھوڑے کی پیشانی میں ہمیشہ بھلائی ہے اور یہ جنگ کے اہم ترین ذرائع میں سے ہے اور قرآن میں والعدیات ضبحا کہہ کر ان کی تعریف کی گئی ہے اس لیے۔اور تیر بھی اہم ترین ہتھیار ہے جس سے دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا جاتا تھا اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا۔اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرانے سے مراد یہود اور قریش کفار عرب۔اور جن کے بارے میں کہا کہ تم انہیں نہیں جانتے یعنی فارس اور روم کے لوگ کسی نے کہا جنات کسی نے کہا قریظہ کسی نے کہا کوئی بھی ہو جسے نہ جانتے ہوں۔اس کے بارے میں جب اللہ نے نہیں بتایا تو کسی کو بھی کچھ کہنا نہیں چاہیے الاّ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات مراد ہیں پھر فرمایا شیطان جس گھر میں گھوڑا ہو اس میں شیطان نہیں جاتا (جہاد کے لیے گھوڑا:معجم الصحابہ) ایک روایت میں ہے کہ جنات اس گھر میں نہیں جاتے جہاں گھوڑا ہو یہ گھوڑے کے ہنہنانے سے ڈرتے ہیں۔(تفسیر القرطبی:۸/۳۸)

جصاص رحمہ اللہ نے احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ رمی کو قوت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دشمن کے مقابلے کا اہم ترین ذریعہ ہے البتہ دیگر قوتوں کی نفی نہیں کی گئی ہے اس لیے کہ جس قسم کے اسلحہ سے دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہو اسے اپنانا چاہیے وہی قوت ہے۔

حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم جہاد کے دوران ناخن نہ تراشوائیں فرمایا قوت ناخنوں میں ہے (مستند کتب میں یہ حدیث مجھے نہیں ملی) البتہ مسند احمد میں ہے کہ دشمن کے علاقے میں ناخن بڑھاؤ یہ بھی ہتھیار ہے اس کے ذریعے سے رسیوں کی گرہیں کھولی جاتی ہیں۔(المغنی :۹/۱۶۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے جو بھی ذریعہ قوت فراہم کرنے کا ہو وہ قوت ہے اسلحہ ہے اسے اپنانا چاہیے اللہ کا فرمان ہے :اگر یہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے تیاری کرتے۔تیاری نہ کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔(احکام القرآن:۴/۲۵۳)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے تیر اندازکرنے اور سیکھنے کے بارے میں سوال ہوا اور جو اس کا سیکھنا ترک کردے اور نیزہ بازی تلوار زنی کے بارے میں کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے خاص علم ہے؟انہوں نے جواب دیا:اللہ کی راہ میں تلوار زنی ہو،نیزہ بازی ہو یا تیراندازی سب کا اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اللہ کا فرمان ہے:

فَاِذا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰىٓ اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا(محمد:۴)

جب تم کفار کا (جنگ میں) سامنا کرو تو گردنوں پر مارو اور جب خون بہاؤ تو سختی سے قید کرو پھر اس کے بعد فدیہ لے کر یا احسان کر کے چھوڑ دو یہاں تک کہ جنگ ہتھیار رکھ دے۔

فرمان ہے:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ(الانفال:۱۲)

پس تم (ان کی) گردنوں پر مارو اوران کے ہر جوڑ پر مارو۔

فرماتا ہے:

يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ (المائدة:٩٤)

ایمان والو اللہ تمہیں شکار کے ذریعے آزمائے گا جس تک تمہارے نیزے پہنچیں گے

فرمان ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ (الانفال:٦٠)

اور تیاری کرو ان کے لیے جتنی استطاعت ہو قوت میں سے اور گھوڑوں کی تیاری جس کے ذریعے تم اپنے اور اللہ کے دشمن کو ڈراتے ہو ان کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے یہ آیت منبر پر پڑھی پھر فرمایا: سنو قوت تیراندازی ہے تین مرتبہ کہا۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے: تیراندازی کرو سوار ہو جاؤ سواری سے بہتر میرے نزدیک تیراندازی ہے جس نے تیراندازی سیکھی اور پھر بھلا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے: جس نے تیراندازی سیکھی پھر بھلا دیا اس نے ایک نعمت کا انکار کر دیا۔ سنن میں ہے: ہر کھیل باطل ہے سوائے تیر بنانے گھوڑا پالنے یا ان کے ساتھ کھیلنے کے یا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنے کے یہ حق ہے۔ فرمایا عنقریب تم زمینیں فتح کرو گے اللہ تمہارے لیے کافی ہوگا مگر تیروں سے کھیلنا مت ختم کرنا۔ مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ شام والوں کو لکھا کہ اپنے بچوں کو گھڑ سواری اور تیراندازی سکھاؤ۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: بنو اسماعیل تیراندازی کرو تمہارا باپ

اسماعیل علیہ السلام تیرانداز تھا میں بنو فلاں کے ساتھ ہوں۔ ایک گروہ مقابلے سے رک گیا آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا جب آپ ﷺ ان کے ساتھ ہیں تو ہم (ان کے مقابلے پر) کیسے نشانہ بازی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے احد والے دن مجھ سے فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں تیراندازی کرو۔ (بخاری)

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے اس کو کہا ہو کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں سوائے سعد رضی اللہ عنہ کے جن کو احد کے دن کہا تھا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تیراندازی کرو۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لشکر میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی آواز سو آدمیوں سے بہتر ہے۔ (ابن عبدالبر،التقیید: ١/٤١٦)

جب وہ لشکر میں ہوتے تو آپ ﷺ کہتے میری جان تم پر فدا ہو میرا چہرہ تیرے چہرہ کا ڈھال ہو۔ نبی ﷺ کی ایک تلوار تھی ایک کمان اور ایک نیزہ تھا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے جس نے جنگ میں تیر چلایا وہ دشمن تک پہنچے یا نہ چلانے والے کے لیے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر اجر ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ایک تیر کے سبب تین آدمی جنت میں جائیں گے بنانے والا چلانے والا اٹھا کر لانے والا۔ اس لیے کہ یہ سب جہاد کے کام ہیں اور جہاد تمام عبادات میں بہتر عمل ہے اس کا نفلی عمل حج سے بہتر ہے۔ اس لیے مکہ و مدینہ میں بیٹھنے سے سرحدوں کی حفاظت زیادہ بہتر ہے۔ سرحدوں پر ہتھیار چلانا نفلی نماز سے بہتر ہے اور اگر دشمن کے شہر سے دور ہو تو نفلی نماز کے برابر ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر درجہ کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہے یہ درجات اللہ نے جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ ان تمام

اعمال میں سے ہرعمل کے لیےایک خاص مقام ہے جس کے یہ لائق ہیں اور ہرایک دوسرے سے افضل ہے مثلاً دشمن سے دوبدو ہوتو تلواراوراگر فاصلہ ہوتو نیزہ اوراگر دور ہوتو تیر ہے جس چیز سے بھی دشمن پرحملہ ہوسکے یہ مختلف حالات میں مختلف ہتھیاروں سے ہوتا ہے لہٰذا کبھی تلوارزیادہ مفید ہوتی ہے کبھی نیزہ تو کبھی تیر یہ مجاہدین کی صوابدید پر ہوتا ہے۔(مجموع الفتاوی :۲۸/۸-۱۲)

﴿وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ ......﴾ اس آیت کی تفسیر میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب یہ لوگ مرتبہ ومنزلت میں دوسروں کے برابر نہیں ہیں اس پر تین احکام مرتب ہوتے ہیں:

① غنیمت وفیئ میں بھی ان کا حق نہیں ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے ان کو دعوت دو کہ اپنے گھروں سے دارالہجرت کی طرف دعوت دو اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں بتاؤ کہ جو مہاجرین کو ملے گا وہ تمہیں بھی ملے گا اور جو کچھ مہاجرین پر (ذمہ داریاں) ہوں گی وہ ان پر بھی ہوں گی۔اگر یہ انکار کردیں تو ان سے کہو کہ ان کا حکم اعراب کا ہوگا ان پر اللہ کا وہی حکم لاگو ہوگا جو (اعراب) مومنین کے لیے ہے ان کا غنیمت وفیئ میں کوئی حصہ نہیں ہوگا جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد نہ کرلیں۔

② دیہات والوں کی شہروالوں کے لیے گواہی ساقط ہوگی اس لیے کہ اس میں اتہام ثابت ہوگا جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے کہ وہ ہر اتہام کا لحاظ سے نہیں کرتے ان کے نزدیک تمام مسلمان عادل ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ نے عادل ہونے کی صورت میں جائز قرار دی ہے یہ صحیح ہے۔

اللہ نے اعراب کی تین اوصاف بیان کی ہیں:

① کفرونفاق۔

② جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں۔

③ اللہ وآخرت پر ایمان اور جو کچھ خرچ کریں اسے اللہ کی قربت اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھیں۔

جس میں یہ صفات ہوں ان کی شہادت قبول کرنا ممکن نہیں ہے اسے پہلی اور دوسری کے ساتھ ملحق کیا جائے گا،جبکہ تیسری،ان کی امامت شہر والوں کے لیے ممنوع ہے اس لیے کہ وہ جمعہ نہیں پڑھتے اور سنت سے ناواقف ہیں ابومجلز رحمہ اللہ نے دیہاتی کی امامت کو ناپسند کیا ہے۔مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر چہ بہترین قرات کرتا ہو مگر امامت نہیں کرے گا۔سفیان ثوری،شافعی،اسحاق اوراصحاب الرائے رحمہم اللہ کہتے ہیں دیہاتی (اعرابی) کے پیچھے نماز جائز ہے ابن المنذر رحمہ اللہ نے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ نماز کی حدود قائم کرتا ہو۔(تفسیر قرطبی:۸/۲۳۲)

شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ﴿وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ ......﴾ کا مطلب ہے اگر یہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جہاد میں جانا چاہتے ہیں اگر اس دعوی میں یہ سچے ہوتے تو یہ اس کی تیاری کبھی ترک نہ کرتے جس طرح کہ مومنین تیاری ترک نہیں کرتے۔مگر یہ لوگ نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے اس لیے زادراہ اسلحہ اور سواری کا انتظام نہیں کیا۔اللہ نے ان کا جانا پسند نہیں کیا اس لیے یہ نکل نہ سکے۔انہیں شیطان نے کہا بیٹھے رہو یا ایک دوسرے کو انہوں نے ایسا کہا کسی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے غصے میں آکر ان سے کہا کہ بیٹھے رہو۔مع القاعدین سے مراد معذور ہیں۔نابینا،لنگڑا،مریض،بچے،عورتیں اس میں ان کے لیے بہت شرمندگی ورسوائی ہے۔

(فتح القدیر:۲/۳۶۶)

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ......﴾ کے بارے میں آلوسی کہتے ہیں: یہ تمام مسلمانوں کو خطاب کہ یہ سب کی

ذمہ داری ہے کہ ان دشمنوں کے مقابلے کے لیے تیار رکھو جنہوں نے عہد توڑا ہے یا تمام کفار مراد ہیں یہ زیادہ بہتر ہے۔﴿ مِّنۡ قُوَّة ﴾ میں ہر طاقت شامل ہے جو دشمن سے بچاؤ اوران کی شکست میں معاون ہو یہ اس لیے کہا کہ بدر میں مکمل تیاری نہیں تھی تو انہیں بتایا کہ بغیر تیاری کے ہر وقت مدد وفتح نہیں آتی اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کہ قوت سے مراد ہر قسم کا اسلحہ ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسیاں اور گھوڑے ہیں ایک روایت میں ہے نر گھوڑے۔ پھر الرمی والی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اس دور میں تیر کمان کے ذریعے دشمن سے جنگ کرنا مقصد کے حصول میں مفید نہیں ہے۔اس لیے کہ وہ بندوق اور توپ استعمال کررہے ہیں ان کے مقابلے میں تیر کمان کچھ بھی نہیں۔اگر ان کا مقابلہ انہی کے ہتھیاروں کی طرح ہتھیاروں سے نہیں ہوگا تو وہ غالب آجائیں گے۔لہٰذا مسلمان عوام اور حکمرانوں پر ہر قسم کی تیاری لازم ہے۔تیر کا ذکر دفاع میں مفید ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے میرے خیال میں اس وجہ سے اس کو جنت میں جانے کا سبب کہا گیا ہے یہ تیر اندازی اللہ کے فرمان:﴿وَ اَعِـــــدُّوۡا لَهُمۡ......﴾ کے عموم میں شامل ہے۔(روح المعانی :۲/ ۱۱۰)

جب جنگ کی طاقت نہ ہو تو تیاری واجب ہے اس لیے کہ جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوسکتی وہ واجب ہوتا ہے۔(ابن تیمیہ مجموع الفتاوی:۲۸/ ۲۵۹)

ایمانی تربیت وتیاری بنیادی اہمیت کی حامل ہے مدد وفتح کے لیے اور معصیت شکست وذلت کا سبب ہے چند فوجیوں کی معصیت بعض دفعہ پوری فوج کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

سوال کیا تیاری کی وجہ سے جہاد کو موخر کیا جاسکتا ہے۔؟

جواب نصوص شرعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کو موخر نہیں کیا جاسکتا خاص کر ایمانی تیاری کی

وجہ سے جب جہاد فرض عین ہو خاص کر اس صورت میں کہ کفار نے مسلم علاقے اور ملک پر حملہ کردیا ہو یا کافر حکمران مسلط ہو بغیر شریعت الٰہی کے حکومت کررہا ہو۔آج کل اکثر مسلم ممالک کی یہی حالت ہے اس طرح کا جہاد فرض عین ہے اس میں تاخیر بہت بڑے فساد کا سبب بن سکتا ہے ۔اس لیے کہ مسلمان ممالک پر کفار کے غلبے وقبضے سے بڑھ کر فتنہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ مختلف حیلوں بہانوں سے انہیں دین سے روکا جارہا ہو۔اور مسلمان ممالک کے وسائل غیر مسلموں کے حوالے کیے جارہے ہوں۔ایسے میں جہاد کو مؤخر قرار دینے والے ان شرعی نصوص کی مخالفت کرتے ہیں جن میں قیامت تک جہاد جاری رہنے کا کہا گیا ہے۔یہ شخص شاید یہ جانتا نہیں کہ کفار مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو کسی طرح اسلام سے برگشتہ کرلیں اور انہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیں۔یہ ترغیب وترہیب دینے والے مجرمین (جو جہاد کو مؤخر کرنا چاہتے ہیں) یہ لوگوں پر اپنے وسائل وذرائع کے ذریعے سے اثر انداز ہورہے ہیں ان کی کوششوں کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا دین بگڑتا جارہا ہے کچھ بزور طاقت کچھ روپیہ پیسہ کی لالچ میں سچ فرمایا اللہ نے:﴿وَ لاَ یَـزَالُـوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ حَتّٰی یَرُدُّوۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِکُمۡ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا (البقرۃ:۲۱۷)﴾ یہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں دین سے برگشتہ کرلیں اگر ان کے بس میں ہو۔اور فرمان ہے:﴿وَ لَـنۡ تَـرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَهُوۡدُ وَ لاَ النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ (البقرۃ: ۱۲۰)﴾ کبھی بھی یہود ونصاری تم سے خوش نہیں ہون گے جب تک تم ان کے دین کی اتباع نہ کرلو۔

ان کفار نے تربیت صالحہ کا ہر راستہ اور ذریعہ مسدود کردیا ہے اب صرف صالح تربیت کی صورت رہ گئی ہے فائدہ اور مقصد غائب ہے اسی لیے اللہ کا فرمان ہے:

وَ لَـوۡ لاَ دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ

مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ(الحج: ٤٠)

اگراللہ لوگوں کوایک دوسرے کے ذریعے سے نہ دباتا یا ہٹاتا تو عبادت گاہیں، گرجائیں اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے جواس کی مدد کرتا ہے اللہ قوت والا غالب ہے۔

اگر اللہ مجاہدین کے ذریعے کفار کو نہ دباتا تو کوئی بھی اللہ کی عبادت کی جگہ صحیح سلامت نہ رہتی۔
قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر اللہ انبیاء ومومنین کے لیے دشمنوں کا قتل جائز قرار نہ دیتا تو اہل شرک کا غلبہ ہوجاتا اور وہ عبادات کے مقامات برباد کردیتے لیکن اللہ نے قتال واجب کردیا تاکہ عبادت خانے اور شریعت محفوظ رہیں۔قتال کی اللہ نے اجازت دے دی اور پھر فرمایا کہ اگر: ﴿لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ ......﴾ لوگوں کے ذریعے لوگوں کو نہ دبایا جاتا تو ہر امت میں اہل حق پر کچھ لوگ غالب آجاتے نصاری اور صائبین میں سے جو جہاد سے انکار کرتا ہے وہ اپنے مذہب کا مخالف ہے۔اس لیے اگر جہاد نہ ہوتا تو دین بھی باقی نہ رہتا۔ان مذاہب کی تعلیمات میں تحریف سے قبل جہاد کے احکام ان میں موجود تھے۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کنیسا، عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صوامع وبیع اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجدیں مسمار ہوجاتیں۔ابن عطیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس آیت کی یہ تفسیر سب سے بہترین ہے۔

(قرطبی:١٢/٧٠،بیضاوی:٤/١٢٩،فتح القدیر:٣/٤٥٧)

(زادالمیسر :١/٣٠٠)اسی مضمون کی آیت یہ بھی ہے:

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ

فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ(البقرة:٢٥١)

اگراللہ لوگوں کے ذریعے لوگوں کو نہ دباتا تو زمین میں فساد ہوجاتا لیکن اللہ جہاں والوں پر فضل کرنے والا ہے۔

اس کا معنی ہے کہ اللہ کافروں کو مومنوں اور ظالموں کو عادلوں اور مفسدین کو اہل الصلاح کے ذریعے دباتا ہے اگر ایسا نہ ہوتو کفر وفساد غالب آجاتا ہے اپنے فساد سے یہ لوگ زمین کو بھر دیتے ہیں ایسے میں مومن اور صالح لوگ نہ رب کی عبادت کر پاتے نہ دین کی دعوت دے سکتے۔

(قرطبی:٣/٢٦٠،ابن کثیر:٢/٦٣٣،ابی السعود:١/٢٤٥)

اسی لیے ابن قیم رحمہ اللہ نے مجاہدین کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے اپنے مال اور جانیں اللہ کی محبت میں اس کے دین کی نصرت اور اعلائے کلمۃ اللہ میں دشمنوں کو ہٹانے اور دبانے میں قربان کردی ہیں۔اب یہ ان لوگوں کے ساتھ اجر میں شریک ہیں جو دین کا دفاع اپنی تلواروں سے کررہے ہیں اگرچہ یہ لوگ اب گھروں میں بیٹھے رہیں ان کو جہاد کی وجہ سے اب عبادت گزاروں کا ثواب ملے گا کہ ان مجاہدوں کی وجہ سے وہ عبادت کرسکتے ہیں اللہ نے سبب بننے والے عمل کو کرنے والے کے برابر قرار دیا ہے اسی لیے اچھائی یا برائی کی طرف دعوت دینے والے بھی عمل کرنے والوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔(طریق الھجرتین:٥٥٣)

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ایمانی تیاری وتربیت ہر وقت کی جاسکتی ہے جہاد شروع ہونے سے پہلے یا دوران یا بعد میں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ عبادت میں موت آنے تک مشغول رہیں: ﴿وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ(الحجر:٩٩)﴾ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔بہتر تربیت وہ ہے جو دورن جہاد ہو جب لوگوں

کواللہ کا قرب زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے عہد میں کچھ سپاہیوں یا فوجی سربراہوں ک وجہ سے تربیت کے بغیر جنگ کرنے کی مخالفت ہوئی مگر آپ ﷺ نے ان کی وجہ سے جہاد کو موقوف نہیں کیا بلکہ ان کو اچھی باتوں کا حکم دیا اور منکر سے روکا اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنوجذیمہ کی طرف بھیجا وہ لوگ اسلمنا کا لفظ صحیح طرح ادا نہ کرسکے وہ صبأ ناصبأ نا کہتے تھے خالد نے انہیں قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کیا اور ہر ایک کو ہم میں سے ایک قیدی دیا کہ اسے قتل کرو میں نے کہا میں اپنے حصے کے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اس بات کا ذکر ہم نے نبی ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔ (بخاری)

خالد رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کو (غلطی سے) قتل کر کے مخالفت کی اسن لیے نبی ﷺ نے ان لوگوں کی دیت ادا کی ان کے اموال نہیں لیے۔ مگر نبی ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو نہ اس کے عہدے سے معزول کیا نہ انہیں فوج سے نکالا نہ ہی اس فعل کی وجہ سے جہاد کو موقوف کیا بلکہ ان لوگوں شرعی ذمہ داری تحت دیت دی اور خالد رضی اللہ عنہ کی غلطی پر سرزنش کی۔ (ابن کثیر: ۵۳۶/۱)

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دستہ بھیجا ان پر ایک انصاری کو امیر بنایا اور انہیں اس کی اطاعت کا حکم دیا امیر کو کسی بات پر غصہ آیا اس نے کہا نبی ﷺ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم دیا ہے لکڑیاں جمع کرو اس میں آگ لگاؤ جب انہوں نے آگ جلائی تو امیر نے کہا اس میں کود جاؤ۔ لوگوں نے انکار کر دیا یہاں تک کہ آگ بجھ گئی جب اس بات کی خبر نبی ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ س میں کود جاتے تو قیامت تک باہر نہیں آتے اطاعت معروف

میں ہے۔ (بخاری، مسلم)

امیر نے لوگوں کو آگ میں کودنے کا حکم دیا اور یہ معصیت تھی اپنا خون ناحق تھا مگر نبی ﷺ نے جہاد کو موقوف نہ کیا نہ ہی اس کو فوج سے نکالا تاکہ یہ تربیت مکمل کر کے پھر آئے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی کو نبی ﷺ نے مال کا نگراں بنایا جس کا نام کرکرہ تھا جب وہ مر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔ جب لوگوں نے تحقیق کی پتہ چلا کہ اس نے مال میں سے ایک جبہ چوری کیا ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

اس آدمی پر نبی ﷺ نے بھروسہ کیا مگر یہ نفس کے بہکاوے میں آ گیا مگر اس کے باوجود نبی ﷺ مجاہدین کی تربیت کی تکمیل تک جہاد کو موقوف نہیں کیا یا کچھ لوگوں کی معصیت کی وجہ سے مجاہدین کو نہیں روکا، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کسی غزوہ میں ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے کے باوجود ایک آدمی کو قتل کیا تو نبی ﷺ نے اس پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا اور اسامہ بھی بہت شرمندہ ہوئے پچھتائے مگر آپ ﷺ نے اس کو جہاد سے نہیں روکا بلکہ آخری لشکر جو آپ ﷺ نے تیار کیا اس کا امیر اسامہ رضی اللہ عنہ کو ہی بنایا اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ نے ایک جنگ کے لیے بھیجا میں نے اور ایک انصاری نے جب ایک آدمی پر قابو پایا تو اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر میں نے اسے نیزہ مارا وہ مر گیا۔ جب نبی ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسامہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے کے باوجود تم نے اسے مار دیا؟ میں نے کہا وہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ مسلسل یہ بات دہراتے رہے میں تمنا کرنے لگا کہ کاش اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (بخاری، مسلم، احمد)

اس کے علاوہ بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی غلطیاں ہوئی ہیں مگر نبی ﷺ نے انہیں جہاد سے نہیں روکا نہ جہاد موقوف کیا تاکہ قوم تربیت مکمل کرے۔ بلکہ غلطی پر آپ ﷺ نے سرزنش کی

اورنصیحت کرلی۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئے تھے ہوا یوں کہ بنوتمیم کا قافلہ آیا تو عمر وابوبکر رضی اللہ عنہم میں سے ایک نے اقرع بن حابس اور دوسرے نے ایک اور آدمی کے بارے میں رائے دی۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہاتم ہمیشہ میری مخالفت کرتے ہوعمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے یہ نہیں چاہا۔دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو یہ آیت نازل ہوئی: ایمان والواپنی آوازیں مت بلند کرو۔(بخاری)

واصل الاحدب معرور سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چادر دیکھی اوران کی غلام کے پاس بھی ۔میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا اگر آپ یہ چادر بھی لے لیتے توجبہ بن جاتا اس کے بدلے غلام کوکوئی اور کپڑا دے دیتے ؟انہوں نے کہا کہ: میرا ایک آدمی سے جھگڑا ہوا اس کی ماں عجمیہ تھی میں نے اس کے بارے میں کچھ نازیبا باتیں کیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کوگالیاں دی ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کوبھی ؟ میں نے کہا: ہاں۔فرمایا: تم میں جاہلیت ہے ۔یہ تمہارے بھائی ہیں جو اللہ نے تمہارے ماتحت کیے ہیں اگراللہ نے کسی کے ماتحت کسی کوکیا ہےتو اسے وہی کھانا اورلباس دے جوتو خود استعمال کرتا ہواوراس پرکام کازیادہ بوجھ نہ ڈالے اگرکام زیادہ ہوتو خودبھی اس کا ساتھ دے۔(بخاری،ترمذی)

اسی طرح کی غلطی واقعہ افک میں بھی ہوئی ۔عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: کہتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ میں جاتے تو قرعہ اندازی کرتے جب کسی بیوی کا قرعہ نکل آتا اسے لیجاتے ۔ ایک قرعہ اندازی میں میرانام نکل آیا اوراس وقت پردے کاحکم نازل ہوچکا تھا مجھے ہودج میں

بٹھایا گیا ہم چل پڑے۔جب غزوہ سے فارغ ہوکرواپس آنے لگےتومدینہ کےقریب آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالنے کاحکم دیارات کوکوچ کاحکم ہوامیں قضائے حاجت کے لیے دور چلی گئی تھی جب واپس آئی تو میرا ہار گم ہوگیا تھا میں دوبارہ اسے تلاش کرنے کے لیے چلی گئی اس کی تلاش میں دیر ہوگئی ادھرلوگوں نے ہودج اٹھا کراونٹ پر رکھا وہ سمجھے اسمیں میں ہوں اس عورتیں کم وزن تھیں لوگ روانہ ہوگئے ۔جس نے تہمت لگائی تھی وہ عبداللہ بن ابی سلول تھا۔ہم مدینہ آگئے میں اس کی وجہ سے ایک ماہ بیماررہی اورمیں نےمحسوس کیا کہ نبی ﷺ کی وہ توجہ میری طرف نہیں ہے جو پہلے تھی ایک دفعہ میں اورام مسطح رضی اللہ عنہا نکلیں رات کو(قضائے حاجت کے لیے) کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا کا پاؤں پھسل گیا تو اس نے کہا مسطح ہلاک ہو۔میں نے کہا ایک بدری آدمی کے بارے میں تمہیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔اس نے کہا وہ تمہارے بارے میں اس طرح کی باتیں کرنے والوں میں شامل ہے۔پوراواقعہ اس نے مجھے بتادیا......رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکرفرمایا کہ: اس آدمی کی ذمہ داری کون لیتا ہے جس نے میری بیوی کے بارے میں تکلیف دی اورایسے آدمی کے بارے میں بات کی جسے میں بہتر جانتا ہوں اوروہ میرے ساتھ ہی میرے گھر جاتا ہے ورنہ نہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں اس کا ذمہ لیتا ہوں اگروہ (ہمارے قبیلے)اوس کا ہےتو میں اس کی گردن ماروں گا اوراگرخزرج کا ہےتو آپ حکم کریں ہم وہی کریں گے ۔خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے حالانکہ نیک آدمی تھے مگر قبیلے کی حمیت آگئی کہاتم اسے قتل نہیں کرسکو گے۔اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر کہا ہم اسے ضرورقتل کریں گے تم منافق ہواس لیے منافقوں کی حمایت کررہے ہو۔اوس اورخزرج قبیلوں میں جھگڑے کی نوبت آگئی کہ نبی ﷺ نے انہیں خاموش رہنے کوکہا تو وہ سب خاموش ہوگئے ...... یہاں تک کہ اللہ

نے آپ پر وحی نازل ہوئی اور جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ اللہ کی حمد بیان کرو اس نے تمہیں بری کردیا ہے۔ میری ماں نے مجھے کہا رسول اللہ ﷺ کی طرف کھڑی ہوجاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں کھڑی نہیں ہوں گی اور تعریف وحمد بھی صرف اللہ کی کروں گی۔ آیت نازل ہوئی۔ ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُ وْا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (النور: ۱۱)﴾ جب میری برئیت نازل ہوئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو مسطح رضی اللہ عنہ کو خرچ دیتے تھے نے کہا کہ: اب سے کچھ نہیں دیا کروں گا کہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یوں کہا ہے۔ اللہ نے یہ آیت نازل کردی: ﴿وَ لَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ (نور: ۲۲)﴾

(بخاری، مسلم، طبرانی، احمد، ابن حبان، بیہقی)

کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم زنا اور چوری میں بھی ملوث ہوئے جس کی وجہ سے حد کے مستحق قرار پائے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں تھے کہ ایک آدمی نے آکر پکارا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے نبی ﷺ نے منہ پھیر لیا اس نے پھر سامنے آکر یہ بات کی اس طرح چار مرتبہ ہوا نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: تم پاگل ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لیجا کر سنگسار کردو۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا ہم نے اسے عیدگاہ میں سنگسار کیا۔

(بخاری، ابوداؤد، نسائی، احمد)

ایک غزوہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس دین کی مدد فاجر آدمی کے ذریعے کرتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں تھے ایک آدمی خود کو مسلمان کہتا تھا نبی ﷺ نے فرمایا: یہ جہنمی ہے وہ آدمی قتال میں اچھی طرح لڑتا رہا۔ زخمی ہوا اور زخموں کو برداشت نہ کرسکا

رات کو اپنے آپ کو قتل کردیا۔ آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا اعلان کردو کہ جنت میں صرف مسلمان روح داخل ہوگی اور دین کی مدد اللہ کبھی فاجر سے بھی کرالیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

عبداللہ بن صفوان کہتے ہیں: میرے باپ نے بتایا کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کہ ایک آدمی نے میرے سر کے نیچے سے چادر کھینچ لی میں نے اسے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کردیا آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ میں نے کہا اللہ کے رسول اللہ ﷺ میرا یہ مقصد نہیں تھا یہ چادر میں اس کو صدقہ دیدیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس لانے سے پہلے تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔ (نسائی، ابوداؤد)

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے ایک عورت نے چوری کی غزوہ فتح میں تو اس کی قوم گھبرا گئی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس آئی کہ نبی ﷺ سے سفارش کردیں جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اللہ کی مقرر کردہ حد میں تم مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو؟ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول اللہ میں معافی چاہتا ہوں جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوگئے کہ جب معزز خاندان کا فرد جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کمزور غریب کرتا تو اس پر حد جاری کردیتے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ اس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی توبہ بہت اچھی قرار پائی۔ اس نے بعد میں شادی کرلی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں وہ میرے پاس آتی تھی تو میں اس کی بات حاجت، درخواست رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتی تھی۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

ایمانی تربیت جہاد کے دوران بھی جاری رہ سکتی ہے مگر جہاد کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا جولوگ جہاد کو تربیت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے مؤخر کرنے کی بات کرتے ہیں وہ اسے مکمل ترک کرنا چاہتے ہیں جو کام قرون فاضلہ میں نہیں ہوا تو بعد کے زمانے اس سے بہتر تو نہیں نہ ہی یہ معصوم ہیں نبی ﷺ کا فرمان ہے: جو بھی زمانہ آئے گا وہ پہلے کی بنسبت برا ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرلو۔(بخاری)

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر کمزوری ولاچارگی کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے تو اس کی تیاری تو کرلیا کریں تاکہ کافر حکمرانوں سے جہاد کی استطاعت حاصل ہوسکے۔مسلمانوں کو ان بیٹھے رہنے والوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جو غلط راہ اختیار کرتے ہیں (جہاد کو ترک کرکے) اور کہتے ہیں کہ شرعی وقانونی طریقہ ہے (حقوق حاصل کرنے یا دین کے غلبے کا) جیسا کہ طاغوتی اسمبلیوں میں جا کر لوگوں کے لیے غیر شرعی قوانین بنانا۔ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ اسمبلیاں اللہ کے علاوہ الٰہ کی مجالس ہیں اللہ نے جس تیاری کا حکم دیا ہے اس میں آدمیوں کو تیار کرنا ،ایمانی تربیت،عمل صالح ،شجاعت ،قربانی ،سمع واطاعت وغیرہ سب شامل ہیں اسی طرح اس میں فوجی تربیت اسلحہ کی تربیت بھی شامل ہے بلکہ لازم ہے۔

واللہ اعلم